ماہنامہ
دختران اسلام
لاہور
مارچ 2026ء

قُربِ الٰہی کے حصول کی علامات اور محرومی کے اسباب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا فکر انگیز خطاب

حضرت امیر خسروؒ کا شہرۂ آفاق کلام

رمضان المبارک میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک معمولات

8 مارچ یوم خواتین اور حقیقی ویمن امپاورمنٹ

رمضان کریم

اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر اپنی زندگیوں میں ماہِ رمضان المبارک کے بابرکت ایام عطا فرمائے، ماہِ مقدس سراسر رحمت، مغفرت اور نجات کا پیغام ہے، اس کی آمد پر عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت رمضان المبارک کے اکرام و احترام بجالانے اور اس ماہِ مقدس کی زیادہ سے زیادہ خیر و برکات سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

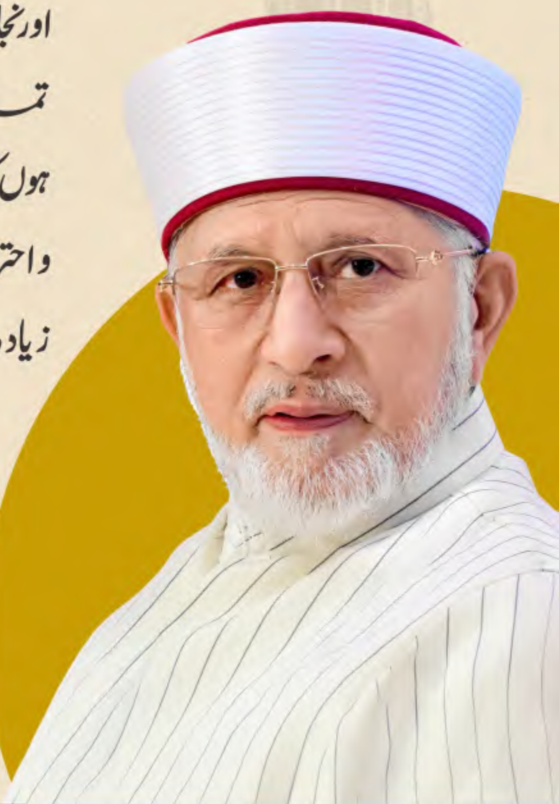

You Tube/DrQadri /TahirulQadri

خواتین میں بیداریِ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 33 شمارہ: 3 / رمضان/شوال ۱۴۴۷ھ / مارچ 2026ء

زیرِ سرپرستی

بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر

قرۃ العین فاطمہ

فہرست

اداریہ (8 مارچ یوم خواتین اور حقیقی ویمن امپاورمنٹ)		06
خطاب قُربِ الٰہی کے حصول کی علامات اور محرومی کے اسباب	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	08
’’تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے‘‘	ڈاکٹر فرح ناز	27
حضرت امیر خسروؒ کا شہرۂ آفاق کلام	ڈاکٹر انیلہ مبشر	31
رمضان المبارک میں حضور ﷺ کے مبارک معمولات	حافظہ سحر عنبرین	39
ماہِ صیام: جس میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں	کوثر تسنیم	45
نوجوانوں میں مطالعے کا رجحان کم کیوں ہو رہا ہے؟	سمیہ اسلام	49
معمولات و وظائف رمضان کریم		
فقہی مسائل: اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت؟	مفتی عبد القیوم خان ہزاروی	56
گلدستہ: انسانی صحت اور رمضان المبارک کی برکات	خدیجہ بتول	58
شہرِ اعتکاف 2026ء: ہدایات برائے معتکفات	لبنیٰ مشتاق	64
Karbala: Courage, Faith and the Art of Raising Righteous Children (Hadia Saqib)		68

ایڈیٹر

شناء وحید

مجلس مشاورت

لبنیٰ مشتاق

نور اللہ صدیقی

ڈاکٹر شاہدہ مغل

ڈاکٹر فرخ سہیل

مسز فریدہ سجاد

ڈاکٹر محمد اقبال چشتی

رائٹرز فورم

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی، آسیہ سیف

سعدیہ کریم، جویریہ سحر ش

جویریہ وحید، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبد السلام

فوٹو گرافی: قاضی محمود الاسلام

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک

قیمت فی شمارہ -60 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری -700 روپے

رابطہ ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور | فون نمبرز: 042-5169111-3 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info

E-mail:sisters@minhaj.org

فرمانِ الٰہی

هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ

(آل عمران،۳: ۷)

’’وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیراثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔‘‘

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رضی الله عنهما اَنَّ رَسُوۡلَ الله ﷺ قَالَ :اَللّٰهُمَّ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ شَامِنَا وَ یَمَنِنَا مَرَّتَیۡنِ فَقَالَ رَجُلٌ :وَ فِیۡ مَشۡرِقِنَا یَا رَسُوۡلَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُوۡلُ الله ﷺ: مِنۡ هُنَالِکَ یَطۡلُعُ قَرۡنُ الشَّیۡطَانِ وَلَهَا تِسۡعَةُ اَعۡشَارِ الشَّرِّ .رَوَاهُ اَحۡمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :اے اللہ !ہمارے لئے ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما اور ایسا آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا :تو ایک آدمی نے عرض کیا :یا رسول اللہ !اور ہمارے مشرق میں (بھی برکت ہو) تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہاں سے تو شیطان کا سینگ نکلے گا اور وہاں دس میں سے نو حصوں (کے برابر) شر ہوگا۔

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص:100)

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے، رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(کلیاتِ اقبال، بانگِ درا، ص:353)

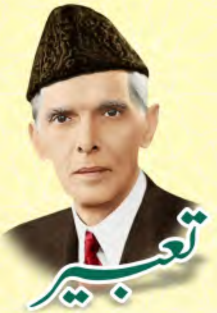

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنیوالے پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔

(شاہی دربار، سبی بلوچستان 14 فروری 1947ء)

جو شخص ہر جگہ مَیں کو نمایاں کرتا ہے، وہ آہستہ آہستہ اپنی اَنا کا پجاری بن جاتا ہے اور مَیں ایک بت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو اُسے عبادت کی روح سے بھی دور کر دیتا ہے، عبودیت کی حقیقت سے بھی محروم کر دیتا ہے اور اللہ کی وسیع رحمتوں سے بھی فاصلے پر لے جاتا ہے۔ بندگی کا اصل حُسن اپنی ذات کو مٹا کر رب کی بارگاہ میں جھک جانا ہے، نہ کہ اپنی ذات کو نمایاں کرنا۔

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

اداریہ

8 مارچ۔یومِ خواتین اور حقیقی ویمن امپاورمنٹ

دنیا کی ہر قوم اور ہر تہذیب میں خواتین کی عظمت اور مقام کے متعلق تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں مگر اس سب کے باوجود خواتین کی قربانیوں اور محنت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔آج ہم ایک ایسے عہد میں جی رہے ہیں جو سوشل میڈیا کی ترقی یافتہ شکل،آرٹیفیشل انٹیلی جنس کا دور ہے،آج کچھ بھی چھپائے نہیں چھپتا اور آج کا انسان اپنا دکھ بیان کرنے کے لئے کسی کا مرہون منت نہیں ہے، جس کے ہاتھ میں بھی اینڈرائیڈ موبائل اور نیٹ سروس ہے وہ کسی بھی وقت پوری دنیا سے لنک ہو سکتا ہے، اپنے دکھ، سکھ کا اظہار کر سکتا ہے، ذرائع ابلاغ کی اس فراوانی اور دستیابی کے باوجود خواتین آج بھی آزاد نہیں ہیں، انہیں سوسائٹی کے اندر مختلف قدغنوں اور پابندیوں کا سامنا ہے، وہ اپنا حق لینے کے لئے آج بھی مرہون منت ہے، مظلوم خاتون آزادانہ آواز تو بلند کر سکتی ہے مگر انصاف اُسے وہی ملتا ہے جو دینے والے چاہتے ہیں، خواتین کا آج بھی سب سے بڑا مسئلہ تعلیم ،سماجی مساوات اور تحفظ ہے۔ قانون تو موجود ہے مگر خاتون اکثر و بیشتر اُس قانونی تحفظ کے ثمرات سے محروم رہتی ہے، وہ شکایت تو کر سکتی ہے مگر ازالہ کی کوئی صورت دستیاب نہیں ہوتی، اس ساری صورت حال کے تناظر میں قرآن و سنت کی تعلیمات ہی ایک ایسا تحفظ ہے جو خواتین کو سرد گرم حالات سے محفوظ رکھتا ہے، ایک باشعور ایمان والا انسان کبھی بھی کسی خاتون سے ظلم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اُس کا استحصال کر سکتا ہے، اس پر ہم آگے جا کر بات کریں گے ، اگرچہ خواتین کی اولین ذمہ داری گھر کی سلطنت کی دیکھ بھال ہے تاہم اُسے اس سلطنت کا بزور طاقت

قیدی نہیں بنایا جا سکتا، اسلام اور مروجہ ملکی قوانین خواتین کو آزادانہ ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ اُمہات المومنین کی مثالیں ہمارے لیے ہمیشہ روشن رہنمائی کا سرچشمہ ہیں، اُمہات المومینن نے ایمان، ہمت اور عقل و شعور کے ساتھ معاشرتی و اقتصادی ترقی میں اپنا کردار ادا کیا اور اسلام کے پیغام کو فروغ دینے میں نہایت فعال کردار ادا کیا۔ اُمہات المومنین میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا عملی برتاؤ اور کردار ہم سب کے سامنے ہے کہ آپ مکہ کی اُس سوسائٹی میں ایک کامیاب تاجرہ تھیں جس سوسائٹی میں خاتون کو خرید و فروخت کی ایک جنس سمجھا جاتا تھا۔ آپؓ نے نہ صرف خود باوقار طریقے سے خود کو زندگی اور ترقی کی دوڑ میں شامل رکھا بلکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی ایک قابل اعتماد دست راست اور شریک حیات تھیں۔ آپ کا یہ کردار ایک روشن مثال ہے۔ عرب معاشرہ میں خواتین کے بارے میں تعصب پر مبنی رویوں کے باوجود حضرت خدیجہؓ نے جرأت مندانہ کردار ادا کیا، آج کی خواتین کو بھی اسی راہ پر چلنا چاہیے۔ مشکلات اور مسائل سے گھبرا کر کبھی بھی دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام نے خواتین کو عزت و وقار کا مقام دیا اور انہیں معاشرتی، علمی اور روحانی ترقی میں شریک بنایا۔ اسلام نے خواتین کو وراثت میں حصہ دار بنا کر اُس کا اقتصادی تحفظ کیا، اسلامی تعلیمات میں خواتین کے استحصال کی کسی بھی شکل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کے معاملے میں قوانین کی پاسداری ہونی چاہیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ خواتین کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، خواتین سے ناروا سلوک کرنے والوں کی روزِ قیامت کڑی بازپرس ہو گی۔ الحمدللہ عالمِ اسلام کی ایک شخصیت اور نابغۂ روزگار ہستی ایسی بھی ہے جس نے فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ویمن امپاورمنٹ کے لئے اپنا جرأت مندانہ دینی، ملی و قومی کردار ادا کیا وہ شخصیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی ہے۔ آپ خواتین کی تعلیم و تربیت کو حقیقی ویمن امپاورمنٹ سمجھتے ہیں اور انہوں نے اس ضمن میں خواتین کے لئے سٹیٹ آف دی آرٹ تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں ہزارہا خواتین اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر سوسائٹی میں اپنا ترقی پسندانہ کردار ادا کر رہی ہیں۔

(ایڈیٹر: دختران اسلام)

قُربِ الٰہی کے حصول
کی علامات اور محرومی کے اسباب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

ترتیب وتدوین: ثناء وحید

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ.

’’اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں۔‘‘(البقرۃ، 2: 186)

قربِ الٰہی کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اس موضوع پر واضحیت کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے قرب کے معنٰی کو سمجھیں۔اللہ رب العزت موجود ہے مگر وہ جسم اور جسمانیت پاک ہے، اُس کا کوئی حسی اور مادی وجود نہیں ہے کہ جسے چھوا یا محسوس کیا جاسکتا ہو۔مادی وجود کے لیے قرب اور بُعد کا معنٰی مسافت اور فاصلہ کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اللہ رب العزت کی بارگاہ کا قرب اور بُعد اِس معنٰی میں نہیں ہوتا۔اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس شش جہات؛ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے اور ہر قسم کے قرب وبُعدِ مکانی سے پاک ہے۔

اللہ تعالٰی کے قرب کا معنٰی قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں واضح ہوتا ہے۔اِس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ جب میرے بندے آپ سے میری

نسبت سوال کریں تو ''اُنہیں بتا دیں'' کہ میں بہت قریب ہوں۔''اُنہیں بتادیں'' کے الفاظ اِس آیت کریمہ میں بیان نہیں کیے گئے۔حالانکہ لفظی اسلوب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ ''انھیں بتادیں کہ میں قریب ہوں۔'' قرآن مجید کے اس اسلوب میں کارفرما شانِ بلاغت میں یہ لطیف علمی نکتہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے حصہ؛ واذسالک عبادی عنی اور دوسرے حصہ فانی قریب کے درمیان مزید الفاظ کی صورت میں کچھ فاصلہ نہ آنے دیا۔

اگر یہ فرما دیا جاتا کہ ''اُنہیں فرما دیں کہ میں قریب ہوں'' تو پھر اِن زائد الفاظ کی وجہ سے ''عَنِّيْ'' (میری نسبت) اور''فانی قریب''(اللہ کی قربت) کے بیان میں فاصلہ آجاتا۔پس اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کی قربت کا بیان کرنے کے لیے تذکرۂ قرب میں دو الفاظ کا فاصلہ بھی گوارا نہیں کیا۔یعنی واضح فرمادیا کہ میں اِتنا قریب ہوں کہ تمہارے اور میرے درمیان کوئی اور شے حائل ہی نہیں ہے اور میں نے اپنے اور تمھارے درمیان کوئی حجاب اور رکاوٹ نہیں رکھی۔

اس قرب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی بیان کیا ہے۔اللہ رب العزت ہمیں مختلف معاملات سمجھانے کے لیےقرآن مجید میں ہماری سمجھ، فہم اور عادت کے مطابق مثال بھی دیتا ہے، چونکہ ان امثال کا تعلق انسان کے شب وروز کے معمولات اور عادات سے ہوتا ہے، لہذا اُن امثال سے بات انسان کو جلد سمجھ آجاتی ہے۔اللہ رب العزت نے اپنے قرب کو ایک مثال کے ذریعے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ.

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''(ق، 50: 16)

شہ رگ اور انسان کی زندگی میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔جونہی شہ رگ کٹےتو انسان ختم ہوجاتا ہے۔گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندگی شہ رگ میں ہے۔جانور کو ذبح کرتے وقت اس کی شہ رگ پر چُھری چلاتے ہیں تو شہ رگ کے کٹتے ہی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں حَبْلِ الْوَرِيدِ (شہ رگ) کے لفظ کو استعمال کرکے دراصل انسان سے اس کی زندگی کے اس قدر قریب ہونے کا تصور دیا ہے یعنی علامتی طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح تم میں اور تمہاری شہ رگ (یعنی

زندگی) میں اس قدر قریبی فاصلہ ہے کہ زندگی ہے تو انسان کا وجود ہے، زندگی نہیں تو انسان ختم ہوجاتا ہے، پس اسی طرح سمجھ لو کہ میں اُس سے بھی زیادہ تمھارے قریب ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ میں اِتنا قریب ہوں کہ میرا قرب تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آسکتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذرحمۃ اللہ علیہ جب اس آیت کریمہ کو پڑھتے تو فرماتے کہ میرے مولیٰ! شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہونے کا شرف تونے اُن لوگوں کو بھی عطا کر دیا ہے جو تیرے قریب ہونے کے طالب نہیں ہیں اور تجھ سے دور ہیں مگر وہ لوگ جو تیرے قریب آنا چاہتے اور تیرے طالب ہیں، اپنی طاعات، اعمالِ صالحہ، سجدوں، دل کی وسعت و کشادگی، ظاہر باطن کی طہارت اور صدق اور اخلاص کے ساتھ تیری طرف بڑھنا چاہتے ہیں اور بڑھ رہے ہیں، اُن کے ساتھ تیرے قرب کا عالم کیا ہوگا۔

قربِ الٰہی سے محرومی کے ذمہ دار ہم خود ہیں

انسان کے ذہن میں اس سوال کا پیدا ہونا کہ اللہ ہم سے کتنا قریب ہے؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کی خبر ہے کہ وہ کس قدر گناہوں، نافرمانیوں اور بداعمالیوں میں گھرا ہوا ہے، اسے اپنے حال کا علم ہےاور چونکہ وہ خود اللہ سے دور ہوتا جارہا ہے، اِس لیے اُسے بھروسہ نہیں کہ اللہ اس کے کتنا قریب ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بندے سے دور نہیں ہوتا ، بلکہ بندہ اللہ سے دور ہوتا ہے۔

لہذا یاد رکھیں کہ قرب الٰہی بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ وہ ہمارے قریب ہی ہے لیکن ہم اس سے قریب اور دور ہوتے رہتے ہیں۔ گناہوں ، نافرمانیوں اور معاصی کی وجہ سے اس سے دور ہو جاتے ہیں اور طاعت، عبادات اور نیکیوں کے ذریعے اس کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس قربِ الٰہی وہ حال ہے جو بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ میں مولیٰ کے کتنے قریب ہوں اور مجھے اللہ کے قریب ہونے پر کیا کیفیات نصیب ہو رہی ہیں؟

بندہ جب کسی بڑے کے قریب ہوتا ہے تو وہ اُتنا ہی حیا والا ہوتا ہے، اُتنا ہی با ادب ہوتا ہے، اُس کی اِتنی ہی جھجک اور ڈر ہوتا ہے۔ اگر کوئی بے حساب اللہ کا حیا

کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے کہ کہیں اُسے ناراض نہ کر بیٹھوں تو اس وقت خوف، حیا اور محبت کی جو کیفیت بندہ دل میں محسوس کرتا ہے، سمجھ لیں کہ بندہ اسی قدر اللہ کے قریب ہے اور جوں جوں اس کا حیا کم ہوتا چلا جائے تو سمجھیں کہ بندہ اتنا ہی اللہ سے دور ہوگیا ہے۔ اللہ کے اوامر و نواہی کو توڑنے کاخوف اگر بندہ دل میں محسوس نہیں کرتا تو سمجھیں کہ وہ اللہ سے دور ہے۔

گویا ہم اپنے اعمال، اپنے قلبی امراض، اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس سے دور کرتے رہتے ہیں اور طاعات، عبادات، اعمالِ صالحہ کے ذریعے اس کے قریب ہوتے رہتے ہیں۔قریب اور دور ہونے کا عمل ہمارا ہے جبکہ اللہ رب العزت کی قربت ہمیشہ قائم رہتی ہے، وہ تو کسی سے دور ہوتا ہی نہیں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے فرامین کے ذریعے قربِ الٰہی کے تصور سے بخوبی آگاہ فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

إِذَا تَلَقَّانِي عَبْدِي بِشِبْرٍ، تَلَقَّيْتُهُ بِذِرَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِذِرَاعٍ، تَلَقَّيْتُهُ بِبَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِبَاعٍ أَتَيْتُهُ بِأَسْرَعَ.

یعنی اگر میر ا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تومیں ایک ہاتھ کے برابر اُس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے طرف بڑھتا ہے تو میں دو بازوؤں کی مقدار اُس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف دو ہاتھ بڑھتا ہے، میرے قریب آنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس نے اپنی خطاؤں، غلطیوں، غفلتوں، گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے مجھ سے منہ موڑ کر جو فاصلے پیدا کر لیے تھے، ان فاصلوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے تو میں اُس سے کئی گنا زیادہ تیزی کے ساتھ اُسے قربت سے نوازتا ہوں۔(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار، 4: 2061، الرقم: 2675)

اس حدیث مبارک میں تین مثالیں دی ہیں حالانکہ اللہ بھاگنے سے بھی پاک ہے، بازوؤں کے فاصلے بھی پاک ہے اور بالشتوں کے فاصلے بھی پاک ہے مگر ہمیں سمجھانے کے لیے ان الفاظ کو استعمال فرمایا۔ یعنی اگر کوئی نیکی، طاعت، عبادت، پرہیزگاری اور نیک کام جتنی مقدار اور جس قدر مستعدی کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ اس سے بڑھ کر اپنی شان کے لائق بندے کو اپنی قربت سے نوازتا ہے۔

قربتِ الٰہی سے محرومی کے اسباب

ہم اپنے خود ساختہ اعمال ، عقائد اور خیالات جو نفس، شیطان اور دنیا کی جانب سے آتے ہیں اور جنھیں ہم اپنی سماعت و بصارت اور عقل و دماغ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، ان کے سبب قربتِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ان نفسیاتی، شیطانی اور دنیاوی خواہشات کے سبب ہمارے قلوب و ارواح پر کچھ پردے اور حجابات آجاتے ہیں، جن کے سبب ہم اللہ کے لطف وکرم سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ذیل میں اللہ کی قربت سے محرومی کا سبب بننے والے چند حجابات بیان کیے جاتے ہیں:

(1) حجاب الکفر والشرک

سب سے پہلا حجاب جو سب سے خطرناک ہے وہ کفر وشرک کا حجاب ہے۔بندہ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔یہ عمل انسان کو اللہ کی قربت سے محروم کردیتا ہے۔

(2)حجاب العقائد الفاسدۃ

دوسراحجاب یہ ہے کہ بندہ مسلمان ہے مگر گمراہ کن عقائد اور غلط و فاسد خیالات کے سبب قربِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔یہ حجاب بندے کو اللہ سے اس لیے دور کر دیتا ہے کہ اس کے یہ خود ساختہ خیالات صحیح نہیں بلکہ باطل ہیں اور قرآن مجید اور آقا علیہ السلام کے فرمودات کے مطابق نہیں اور اسلام کے تصور سے ہٹ کر ہیں۔یہ غلط عقائد اور خیالات انسان کو تعلیمی اداروں، میڈیا اور ماحول کے زیر اثر ملتے ہیں، جہاں ہمارا روز کا آنا جانا اور زندگی کا معمول ہے۔یہ غلط خیالات، نظریات اور غلط تصورات آہستہ آہستہ ہمارے اذہان میں جم جاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہی حقیقت ہیں اور پھر ہم اُس پر یقین کرنے لگ جاتے ہیں۔اِس طرح انسان نظریاتی طور پر بھٹک جاتا ہے۔

(3) حجاب الکبائر الباطنیۃ

باطنی کبیرہ گناہ اللہ کی قربت سے محرومی کا تیسرا سبب ہیں۔جیسے حقد، حسد، کبر، تکبر، عجب، خود پسندی، ریاکاری، بُغض، کینہ، دنیا کا حرص، مال دولت اور منصب کا لالچ وغیرہ۔یہ حجابات باطنی کبیرہ گناہ ہیں۔یہ حجابات بندے کو اللہ سے دور کرنے کا

سبب اس لیے ہیں کہ چونکہ اللہ کی قربت کے احساس، مقامِ قربت الٰہیہ کے حصول، قربتِ الٰہیہ کے شعور و مشاہدہ اور قربتِ الٰہیہ کی لذتوں اور حلاوتوں کے پانے کا مقام دل ہے، جب دل غلاظتوں اور باطنی گناہوں کے ساتھ معمور ہوگیا تو پھر اس میں قربتِ الٰہیہ کی حلاوت کہاں سماسکتی ہے۔ان تمام باطنی گناہوں کا تعلق چونکہ مخلوق کے ساتھ ہے، اس لیے مخلوق خدا کے حوالے سے دل کی حفاظت نہ کرنا، قربِ الٰہی سے محرومی کا سبب ہے۔

(4) حجاب الکبائر الظاہرۃ

چوتھا حجاب ظاہری گناہ کی صورت میں ہے۔اُن میں قتل، بدکاری، والدین کی نافرمانی، رزقِ حرام اور سارے محرمات جن کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، شامل ہیں۔یہ ظاہری کبیرہ گناہ بندے کو اللہ کے قریب نہیں ہونے دیتے۔

(5) حجاب الصغائر من الذنوب

پانچواں حجاب صغیرہ گناہوں کا حجاب ہے۔ہر وہ کام جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے طریق سے ہٹ کر ہے اور اُس کے خلاف ہے، وہ صغیرہ گناہ ہے۔اس میں کسی سے نفرت، حقارت، مذاق اڑانا، معاملے میں کمی وبیشی کرنا، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرنا اور اس جیسے سیکڑوں وہ معاملات آتے ہیں، جن کا انسان کو ادراک نہیں۔ہر صغیرہ گناہ اللہ کی قربت کے حصول کی راہ میں ایک پردہ حائل کرتا چلا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کے حجابات کثرتِ عبادات سے بھی اس وقت تک دور نہیں ہوتے جب تک ان گناہوں کو کلیتاً ترک نہ کیا جائے۔عبادات اور توبہ کرنے سے ان میں تخفیف یا کمی تو ہوسکتی ہے مگر ان کو مکمل ترک کیے بغیر یہ حجاب ختم نہیں ہوتا۔

(6) حجاب الفاضلات والتوسع فی المباحاۃ

چھٹا حجاب نہایت عجیب ہے۔یہ صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کی صورت میں نہیں آتا بلکہ وہ اعمال جو گناہ کے زمرے میں نہیں آتے مگر فضول چیزیں ہیں، مباح امور جن کے کرنے سے گناہ اور ثواب نہیں، ان بے کار اور لغو امور کو کرنے سے یہ حجاب آتا ہے

اور بندے کو قربتِ الٰہی سے محروم کردیتا ہے۔ایسے امور اس لیے حجاب کا باعث بنتے ہیں کیونکہ یہ وقت کو ضائع کرنے کا سبب ہیں۔جو وقت ان لغو اور بے کار کاموں میں صرف کیا، اُس وقت بندہ کوئی نیکی، بھلائی اور خیر کا کام کرسکتا تھا۔کثرت کے ساتھ ایسے اعمال کی انجام دہی بالآخر حجاب بن جاتی ہے۔اس کی مثال ہماری روزمرہ زندگی میں گپ شپ لگانے کی ہے کہ ہم گھنٹوں بیٹھ کر فضول اور لایعنی گپ شپ میں مصروف رہتے ہیں۔

(7) حجاب الغفلۃ عن الاستحضار

ساتواں حجاب بھی ایک باطنی حجاب ہے۔اس کا تعلق غفلت کے ساتھ ہے۔بندہ اللہ کا ذکر، عبادت اور تسبیح کررہا ہے مگر دل ان میں مستغرق نہیں بلکہ غفلت کا شکار ہے۔جو کچھ کر رہے ہیں، دل اُس سے غافل ہے۔ارشاد فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا. (الکھف، 18: 28)

اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے۔

تسبیح کرتے ہیں مگر دل اُس تسبیح کے ساتھ نہیں ہے۔۔۔عبادت کررہے ہیں مگر اللہ کے حضور حاضر نہیں ہیں۔۔۔اس کی بارگاہ میں سوچ اور دل جما ہوا نہیں ہے۔۔۔ نماز اور دعا میں اس کو پکار رہے ہیں مگر پکارتے ہوئے یہ تصور نہیں کہ میں اس کے سامنے ہوں اور اس سے بات کر رہا ہوں، اُس کو اپنی بات سنا رہا ہوں۔۔۔اُس کے حضور کھڑا ہوں اور اُس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کر رہا ہوں۔جب بندہ ان تصورات سے خالی ہوکر غفلت کے ساتھ اس کی عبادات کرتا ہے تو یہ عملِ عبادت بھی اس کے لیے ایک حجاب کا باعث ہے۔

مذکورہ سات اقسام کے حجابات میں سے ہر ایک حجاب کے اندر بے شمار اعمال اور افعال ہیں۔یہ حجابات بندے کو قرب الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔ان سات حجابات کے انسان کے دل پر اثر انداز ہونے کے چار عوامل اور دروازے ہیں۔تمام گناہ، خیالات، خواہشات، شہوات، تمنائیں، سوچیں، تصورات اور نظریات ان چار راستوں سے انسان کے دل میں داخل ہوتے ہیں اور اِن حجابات کو قائم کرنے کا سبب بنتے ہیں:

1۔نفس 2۔شیطان

3۔خواہش　　4۔دنیا

ان چار راستوں کے ذریعے حجابات انسان کے قلب میں داخل ہوتے ہیں اور بندے کو اللہ رب العزت کی قربت سے محروم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

قربِ الٰہی عطا کرنے والے اسباب و ذرائع

جس طرح کچھ اسباب سے حجابات پیدا ہوتے ہیں، اس طرح کچھ ایسے عناصر اور اسباب بھی ہیں جو قرب عطا کرتے ہیں اور بندے کو قرب الٰہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ذیل میں اُن میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(1) ادب

سارے اعمال کچھ نہ کچھ خیر دیتے ہیں۔ہر عمل کی اپنی ایک نوعیت اور اثر ہوتا ہے، مگر ایک عمل ایسا ہے جوسب سے زیادہ مجرب ہے اور بندے کو اللہ کی قربت سے نوازتا ہے اور بندے کو اللہ کا مقرب بناتا ہے۔قرب سے نوازنے والا رب خود کو مقرب نہیں کہتا بلکہ بندے کو مقرب کہتا ہے اور اپنے بارے میں کہتا ہے کہ ''فانی قریب'' کہ ''میں قریب ہوں'' پس بندے کو قریب نہیں کہتے بلکہ مقرب کہتے ہیں۔ یعنی اِس کو قرب سے نوازا گیا ہے۔قرب کی نسبت بندے کے عمل یا فعل کی طرف نہیں کی، اس لیے کہ اِس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔لفظ مقرب کا استعمال خود دلالت کرتا ہے کہ بندہ سب کچھ ترک کررہا ہے اور اعلان کررہا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور میرا کوئی عمل اس کے قریب ہونے کا باعث نہیں بنا۔بندہ کسی چیز یا نیکی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، وہ اِس ٹائٹل کو بھی اپنے پاس سے ہٹادیتا ہے کہ میں اس کے قریب ہوں۔کسی بندے کو اجازت نہیں کہ وہ کہے میں اس کے قریب ہوں اور نہ ہی کسی اللہ کے بندے نے یہ دعویٰ کیا ہے۔یہ اللہ کا حق ہے کہ و ہ جس کو چاہے، قرب سے نواز دے۔

یہ نکتہ ''ادب'' ہے۔میں نے تعلیماتِ اسلام میں سے جو کچھ آج تک مطالعہ کیا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے کہ سارے اعمال بندے کو فائدہ دیتے ہیں مگر قربِ الٰہی کی طرف سفر کی ابتداء ادب سے ہوتی ہے۔اس ادب میں ادبِ الٰہی، ادبِ رسالت مآب ﷺ اور ادبِ صالحین شامل ہے۔ہر وہ عمل جو ادب سے خالی ہے، وہ مقبول

رہتا ہے اور نہ حسین رہتا ہے۔۔۔ادب ہر عمل کو حسین و جمیل بنا دیتا ہے۔۔۔ادب؛ زبان و گفتگو کو حسین بناتا ہے اور اثرات بڑھا دیتا ہے۔۔۔ادب؛ تعلق میں خوشگواری پیدا کر دیتا ہے۔آداب جس قدر اچھے ہوتے جاتے ہیں، اُتنی قبولیت بڑھتی جاتی ہے۔ جس طرح ہم اچھے ادب والے کو اپنے قریب کرتے ہیں، اِس طرح اللہ بھی اچھے ادب والے کو اپنے قریب کرتا ہے۔

(2) غیبت، حسد اور عیب جوئی سے اجتناب

قربِ الٰہی کا باعث بننے والا دوسرا سبب غیبت، حسد اور عیب جوئی سے پاک ہونا ہے۔ حضرت قیس العامری بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ عرض کیا:

یا رب؛ علمنی شیأً أتقرب به إلیك. قال: نعم یاداؤد أعلمك شیأً. قال: ما هو یا رب. قال: لا تغتب عبادی المسلمین ولا تحسد عبداً لی إذا رأیت فضل نعمتی علیه.

(أبوسعد النیشاپوری، تهذیب الأسرار: 73)

اے اللہ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دے جس کے ذریعے مجھے تیرا قرب نصیب ہو جائے۔ فرمایا: ہاں میرے داؤد میں تمھیں ایک چیز بتاتا ہوں کہ جس سے میرا قرب ملے گا۔ عرض کیا: میرے مولیٰ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: میرے بندوں کی کبھی غیبت نہ کرنا اور جب میرے کسی بندے پر میری نعمت دیکھے کہ میں نے اسے زیادہ دیا ہے اور اس پر دینی، دنیاوی، مالی، اخلاقی، علمی حوالے سے زیادہ کرم کیا ہے تو میرے بندے پر زیادہ نعمت دیکھ کر اُس پر کبھی حسد نہ کرنا۔

یعنی دل کو اِتنا نرم اور وسیع بنا لیں کہ نہ وہ کسی کی بُرائی دیکھے، نہ کسی کی برائی کا تذکرہ کرے اور نہ ہی کسی کو حاصل نعمت پر حسد کرے۔ اگر بندہ دل کو ایسا کر لے تو اسے اللہ کا قرب نصیب ہو جائے گا۔

(3) اللہ سے موافقت اختیار کرنا

اللہ کے قرب کے حصول کا تیسرا سبب اس کے ساتھ موافقت اختیار کرنا ہے۔ جو لوگ اللہ کے امر کے مخالف ہیں اور اُن کی طبیعت، اللہ کے احکام کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی، وہ اللہ سے دور ہوگئے اور وہ لوگ جو اللہ کے تابعدار اور وفادار ہوجاتے ہیں، وہ اپنے دلوں اور طبائع میں یہ تبدیلی لاتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے اُن کی

طبیعت راحت پاتی ہے اور ان کی طبائع اللہ کے احکام سے موافق ہو جاتی ہیں۔اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ ہم دنیاوی زندگی میں ان لوگوں کے ساتھ چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں جن کے ساتھ ہماری طبائع اور مزاج موافق ہوتا ہے۔موافق اور موافقت کا مطلب ہے کہ انسان جس چیز سے راحت، سکون اور اطمینان پائے اور اُسے اس کے ساتھ چلنے میں کوئی تنگی، پریشانی اور ضرر نہ ہو۔جہاں ہم گھٹن محسوس کریں اور سکون اور راحت نہ ہو، اُس کو عدمِ موافقت یا مخالفت کہتے ہیں۔

قربِ الٰہی کا راستہ اُس وقت کھلتا ہے جب ہمارے دل اور طبیعت میں اللہ کے احکام کے ساتھ موافقت پیدا ہو جائے یعنی جب ہم اللہ کے احکام کی بجا آوری تکلفاً نہیں کر رہے ہوتے، اپنے آپ کو اس کے احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ، اوامر ونواہی کی طرف دھکیل کر نہیں لے جا رہے ہوتے بلکہ طبیعت اس کی طرف جانے میں راحت محسوس کررہی ہوتی ہے۔۔۔طبیعت اللہ کی غلامی، عبادت گزاری، بندگی ، طاعت کی طرف خود بخود راغب ہورہی ہوتی ہے۔۔۔اور اللہ کے ساتھ ہی اسے اِتنی موافقت ہوچکی ہوتی ہے کہ اللہ کے احکام کے ساتھ اسے راحت ملتی ہے۔

وہ طبائع بڑی اعلیٰ ہیں جو صرف خیر پر ارتکاز کرکے اپنی موافقت پیدا کر لیتی ہیں اور شر کو نظر انداز کرتی ہیں۔کسی کی بُرائی کو نظر انداز کر دیتی ہیں اور اُس میں موجود خیر کے پہلو سے موافقت پیدا کر لیتی ہیں۔اگر موافقت اللہ کے احکام کے ساتھ ہوجائے تو قرب کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو کعبۃ اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔اُس کا جسم نحیف ، کمزور ، لاغر تھا اور اس کا رنگ بھی زرد تھا، جیسے خوف کی کیفیت ہو۔میں نے اس سے پوچھا: کیا آپ محبت کرنے والے ہیں؟ اُس جوان نے مجھے کہا: ہاں، میں محب ہوں۔میں نے پوچھا:

حبيبك منك قريب أم بعيد

آپ کا محبوب آپ کے قریب ہے یا آپ سے دور ہے ؟

اُس نے جواب دیا کہ میرا محبوب میرے قریب ہے۔

میں نے پوچھا: موافق أو غير موافق؟

آپ کے ساتھ اُس کی موافقت ہے یا عدم موافقت؟ یعنی آپ سے راضی رہتا ہے یا ناراض رہتا ہے؟ اس نوجوان نے کہا: میرے ساتھ بہت راضی رہتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا اور سبحان اللہ کہتے ہوئے اس نوجوان سے کہا کہ اے بندے! تیرا محبوب ہے اور تجھ سے قریب بھی ہے اور تجھ سے راضی بھی ہے لیکن پھر یہ خوف اور چہرے پر زردی کی کیفیت کیوں ہے؟ اُس نے کہا:

أما علمت أن عذاب القرب والموافقة أشد من عذاب البعد والمخالفة.

(أبو سعد النیشاپوری، تھذیب الأسرار: 74)

تمہیں معلوم نہیں قرب اور موافقت کا جو امتحان ہوتا ہے، یہ دوری اور مخالفت کے امتحان سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

یعنی جو آدمی اللہ سے دور ہے، اُسے کیا امتحان ہے، وہ تو غافل ہو چکا ہے، اُس پر تو پردے پڑگئے ہیں، وہ اللہ کے احکام کا مخالف ہےاور اللہ بھی اُس سے ناراض ہے۔ اِس کے دل پر مخالفت نے اِتنے پردے ڈال دیئے ہیں کہ اِس کو پرواہ ہی نہیں رہی لہذا وہ کسی امتحان میں نہیں ہے۔ اپنے اس عمل کا عذاب وہ بعد زاں بھگتے گا مگر وہ بندہ جو اللہ کے قریب ہوتا ہےاور اللہ اسے اپنی موافقت اور رضا دیتا ہے، وہ تو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے سامنے محسوس کرتا ہے، اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اُس سے راضی ہے، اُس پر انعام کرتا ہےتو اِس سے اس بندے میں جوحیا پیدا ہوتی ہے، اُس حیا کا امتحان اور آزمائش دنیا کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ اُس آزمائش میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے بےادبی نہ ہوجائے۔۔۔ کہیں مجھ سے خطا نہ ہوجائے۔۔۔ کہیں میں اپنے محبوب کو ناراض نہ کر بیٹھوں۔۔۔ کہیں اُس کی موافقت کم نہ ہوجائے۔۔۔ پس ہر لمحہ یہ کھٹکا رہتا ہے اور یہ سوچ انسان کو پریشان رکھتی ہے۔ اگر یہ پریشانی انسان کے قلب کو لاحق رہے تو سمجھیں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے چشمۂ قرب میں سے چند قطرے دے دیئے ہیں اور اپنے قرب کا حصہ عطا کر دیا ہے۔

حضرت ابو بکر الوراقؒ بیان کرتے ہیں کہ:

من نظر إلی اللہ عزوجل بقلبہ قریباً بعد من کل شيء سوی اللہ تعالی.

(أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار: 73)

جب بندہ اپنے دل کو اللہ کے قریب کرتا ہے تو اس قربِ الٰہی کے سبب اللہ کے سوا ہر شے اُس کے دل سے دور ہوجاتی ہے۔

جو لطف، مزہ، کیفیت اور سرور اسے اللہ کی قربت میں نصیب ہوتا ہے، اس کے سبب اب کسی شے کی تمنا، حرص لالچ اور تڑپ اس کے اندر نہیں رہتی۔ پس اس کی موافقت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اللہ سے دور کرنے والی ہر شے اور اللہ کے ہر غیر سے دل منقطع ہوجائے۔ انسان کا جسم امور دنیا سے تعلق میں رہتا ہے، دنیاوی فرائض ادا کرتا ہے، ذمہ داریاں ادا کرتاہے، مگر قلب ان امور سے اپنا تعلق کاٹ لیتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ ایک خوبصورت تعلقِ اُنس و موافقت اور رضا میں بندھ جاتا ہے اور اسے یہ راحت کسی اور طرف دھیان ہی نہیں کرنے دیتی۔

(4) حضوری کے ساتھ نماز پڑھنا

قربِ الٰہی کے حصول کا چوتھا سبب حضوری قلب کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، یہ نماز حقیقی نماز نہیں ہے۔ ہم تو صرف فرض کا بوجھ اُتارتے ہیں۔ اصل نماز یہ ہے کہ جب جسم مصلے پر کھڑا ہوتو دل بھی اللہ کی بارگاہ میں موجود ہو۔۔۔ چہرے کا رخ کعبے کی طرف ہوتو دل کا رخ ربِ کعبہ کی طرف ہو۔۔۔ جب نماز میں کلمات ادا کر رہے ہوں تو ایسا محسوس کریں کہ اللہ سن رہا ہے اور میں سنا رہا ہوں۔۔۔ اِس حضوری کے ساتھ نماز پڑھیں۔ یاد رکھیں! سکون اور راحت سے ادا کی گئی نماز ہی قرب الٰہی کا دروازہ کھولتی ہے۔ نماز وہ قربت دیتی ہے جو جنتیوں کو جنت میں بھی نہیں ملے گی۔ حضوری کے ساتھ ادا کی گئی نماز کی وجہ سے قرب کی جو لذت ملتی ہے، جنتی بھی اُس کے مشتاق ہوں گے۔ اِس لیے نماز کو مومن کی جنت نہیں کہا بلکہ مومن کی معراج کہا ہے۔ جنت عرش سے نیچے ہے جبکہ معراج عرش سے اوپر ہے۔ اگر معراج کی کیفیت ہو جائےتو بندہ مالائے اعلیٰ اور لامکاں میں چلا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے یہ اختیار دے دیا جائے کہ جنت لے لو یا دو رکعت نماز پڑھنے کا وقت لے لوں تو میں دو رکعت نماز کا وقت لے لوں گا۔ اِس لیے کہ حضوری کی کیفیت کے ساتھ نماز میں قرب الٰہی کی جو لذت ملتی ہے ، وہ شاید جنتیوں کو وہاں نصیب نہ ہو۔

(الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ: 90، الرقم: 17)

قربِ الٰہی کی علامات

اولیاء، صلحاء اور صوفیاء نے اپنے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی قربت کی مختلف علامات کو بیان کیا ہے۔ذیل میں اُن میں سے چند علامات کو ذکر کیا جاتا ہے:

(1) طاعات کی طرف رغبت

حضرت محاسبی بیان کرتے ہیں کہ قرب کی علامت یہ ہے کہ

أن یتقرب العبد إلی اللہ سبحانہ بالطاعات.

(أبو سعد النیشاپوری، تھذیب الأسرار: 74)

بندہ اپنی طاعات، عبادات اور نیکیوں کے ذریعے قدم آگے بڑھاتا ہوا اللہ کے قریب ہوتا چلا جائے۔

(2) دل کی اللہ کے ساتھ مشغولیت

عارفین میں سے کسی سے پوچھا گیا کہ قرب الٰہی کا کیسے تعین کریں اور اسے کیسے محسوس کریں تو انھوں نے فرمایا:

القرب شغل القلب باللہ تعالیٰ.

(أبو سعد النیشاپوری، تھذیب الأسرار: 74)

دل اللہ کے ساتھ ہر وقت مشغول رہے۔یعنی ہر وقت دل میں اللہ کی یاد غالب رہے۔۔۔ اللہ کی رضا کی کیفیت دل پر چھائی رہے۔۔۔ اللہ کی اطاعت، لذت پیدا کرے۔۔۔ اُس کے قرب اور اُس کے حیا کا احساس رہے۔۔۔اُس کے مشاہدہ کا خیال رہے کہ ہمارے دل کو وہ تک رہا ہے۔اگر ہر وقت دل اللہ کے ساتھ اس طرح مشغول رہے تو جان لیں اِس دل کو اللہ کا قرب نصیب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے اُتنا ہی قریب ہوتا ہے کہ جتنا اُس بندے کا دل اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

اولیاء اور عرفاء اور مقربین کہا کرتے تھے:

ما نظرت إلی شيء إلا ونظرت اللہ تبارك وتعالیٰ أقرب إلی منه.

(أبو سعد النیشاپوری، تھذیب الأسرار: 75)

میں نے زندگی میں جس چیز کو بھی قریب سے قریب تر دیکھا ہے ، اللہ کو اُس سے بھی قریب دیکھا ہے۔یعنی بندے کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ اپنے انداز کے ساتھ اللہ کے لطف وکرم اور انعام کو اپنے قریب دیکھتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان الدارانیؒ جلیل القدر صوفیاء اور عارفین میں سے ہوئے ہیں، اُن سے کسی نے پوچھا کہ کونسی سے چیز ہے جو بہت زیادہ اللہ کے قریب کر دے؟ آپ رو پڑے اور پھر فرمایاکہ ”آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ یہ سوال میرے جیسے لوگوں سے پوچھا جا رہا ہے۔“ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو بہت جلیل القدر اولیاء میں سے تھے۔جنہوں نے اولین زمانہ پایا کہ اس حد تک تواضع و انکساری کے پیکر تھے۔پھر فرمانے لگے:

أقرب ما يتقرب به إليه أن يطلع من قلبك على أنك لا تريد من الدنيا والآخرة إلا هو.

(أبوسعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار: 76)(الرفاعی، حالۃ أہل الحقیقۃ مع اللہ: 188، الرقم: 34)

وہ حال سب سے زیادہ اللہ کا قرب عطا کرتا ہے کہ اللہ خود آپ کے دل کو دیکھے تو وہ اس میں دنیا اور آخرت کی کوئی شے بھی نہ پائے۔اُس کی طلب، خواہش، لذت حتیٰ کہ دنیا اور آخرت کی کوئی بھی چیزسوائے اللہ کے اس کے دل میں موجود نہ ہو۔گویا وہ دل اللہ کے لیے یکسو ہو اور اللہ کی محبت اور چاہت کے لیے ہر ایک سے خالی ہو چکا ہو۔پس دل کی اِس طرح کی طہارت اور صفائی ہوجائے اور اُسے اللہ کے لیے خلوت مل جائے کہ ہر چیز کو دل سے رخصت کردے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

جب دل میں ایسی خلوت ہو جائےتو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا کرتا ہے۔

(3) علم پر عمل، اخلاص اور صحبتِ صالحہ

سیدنا امام جعفر الصادق سے پوچھا گیاکہ اللہ کے قرب کی علامات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایاکہ تین علامات ہیں کہ جس سے بندہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ میں قربِ الٰہی حاصل کر رہا ہوں:

(1) اللہ تعالیٰ اسے دین کا علم و فہم عطا کرے تو وہ اُس علم پر عمل بھی کرے۔ اگر علم ہو اور عمل کی توفیق نہ ہو تو سمجھیں کہ دوری ہے اور صرف قصے کہانیاں ہیں۔اگر علم؛ عمل بن جائے تو سمجھیں قرب کا راستہ کھل گیا۔

(2) جب زندگی میں عمل شروع ہوجائے تو پھر بندہ دیکھے کہ اِس عمل میں اخلاص کتنا ہے؟ اگر نیت میں اخلاص نہیں بلکہ دنیا ، نفس اور خیالات کی آمیزش ہے تو پھر بندہ اللہ سے دور ہے، اس کے قریب نہیں۔

(3) جب عمل میں اخلا ص مل جائے تو پھر اُس کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ صالحین کی صحبت رکھیں۔ بندہ نام ونمود ، وضع قطع اور لباس سے صالح نہیں ہوتا بلکہ اپنے عمل، حال، طہارت، تقویٰ ، پرہیز گاری، اخلاق اور ظاہر وباطن کی اچھائیوں سے صالح ہوتا ہے۔اگر صالحین کے ساتھ قائم رہوتو دل میں اُن کا احترام رہے۔صالحین کا احترام کرنا بندے کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔

(4) خوف، امید اور شوقِ ملاقات

حضرت رابعہ بصریؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ کا قرب کیسے پایا؟فرمایا: دس سال تک میں اللہ کے خوف اور اُس کی ناراضگی کے ڈر سے روئی۔۔۔جب خوف کا رونا ختم کیا تو اگلے دس سال اُ س کی رحمت کی امید پر روئی کہ وہ بخش دے گا اور معاف فرما دے گا۔۔۔پھر اگلے دس سال اُس سے ملاقات کے شوق میں روئی۔کہ اس سے کب کیسے اور کس حال میں ملاقات ہوگی؟ گویا دس سال اس کے ساتھ خوف کا تعلق قائم رکھا۔دس سال اس کے ساتھ امید کا تعلق قائم رکھا اور دس سال اس کے ساتھ شوقِ ملاقات کا تعلق قائم رکھا۔جب تیس سال اِس طرح ختم کیے تو اُس نے مجھے اپنا قرب عطا کر دیا۔(الرفاعی، حالۃ اُھل الحقیقۃ مع اللہ /188، الرقم/34)

(5) خواہشاتِ نفسانی کا ترک کرنا

حضرت مالک بن دینارؒ اپنے نفس کو خطا ب کرتے ہوئے فرماتے کہ اے میرے نفس!کیا تو چاہتا ہے کہ اللہ کا پڑوسی بن جائے، اس کے قریب ہوجائے، وہ تجھے اپنی قربت سے نوازے اور اپنا دیدار عطا کر دے؟ پھر کہتے کہ اگر اللہ کا قرب اور دیدار چاہتے ہوتو مجھے بتاؤ کہ اُس اللہ کے قرب کی خاطر تم نے کون سی شہوت اور خواہش ترک کر دی ہے۔۔۔؟ تم نے اللہ سے کتنی دوریاں قائم کر رکھی ہیں، وہ کون سی

ایک دوری ہے جس کو تم نے قربت میں بدل دیا ہے۔۔۔؟ اللہ کی خاطر کتنوں سے محبت کی اور اللہ کی خاطر کتنوں سے دشمنی و بغض رکھا۔۔۔؟ وہ کون سا غصہ ہے جو تم اللہ کے لیے ضبط کر گئے ہو۔۔۔؟کون سی معافی ہے جوتم نے کسی کو اللہ کے لیے دے دی ہے۔۔۔؟یہ کہتے کہتے اُن پر غشی طاری ہوجاتی اور وہ بے ہوش ہوجاتے تھے۔(الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ /189، الرقم/34)

(6) احساسات میں تبدیلی

جب قرب ہو جاتا ہے تو بندے کے احساسات، تصورات، سوچ کا رخ اور زاویۂ عقل و نگاہ بدل جاتے ہیں۔جب عشق کا تعلق اللہ سے قائم ہوتا ہے، قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اور بندہ اُس کی لذت اور حلاوت میں سے کچھ جام پیتا ہے تو زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔

ایک شخص امام حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیٹی ہر وقت اللہ کی یاد، اس کے خوف اور عشق میں روتی رہتی ہےاور اِتنی مدت ہوگئی ہے کہ روتے روتے اب اُس کی بینائی بھی ختم ہورہی ہے۔آپ اسے کچھ سمجھائیں اور دعا بھی فرمائیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں کی بینائی بچا لے۔حضرت امام حسن بصریؒ اُس کے ساتھ گئے اور اُس بیٹی سے کہا کہ بیٹی اپنے آپ پر کچھ رحم کرو، اِتنا کیوں روتی اور پریشان رہتی ہو؟ اُس نے جواب دیا: میں سوچتی ہوں کہ میری آنکھوں کی حالت دو حالتوں میں سے ایک ہوگی:

1۔ایک حالت یہ ہوسکتی ہے کہ میری آنکھیں اللہ کے دیدار کے قابل ہوں اور وہ اِنہیں اِس قابل ٹھہرائے کہ حجاب اُٹھا کر اپنا دیدار عطا فرمادے۔

2۔دوسری حالت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر دے کہ یہ آنکھیں اللہ کے دیدار کے قابل نہیں۔

لیکن اگر یہ حالت ہوئی کہ میری آنکھیں اُس کے دیدار کے قابل نہیں ہوں گی تو پھر ایسی آنکھوں کو نابینا ہی ہوجانا چاہیے۔اگر یہ اُس کے دیدار کے قابل نہیں ٹھہرائی جائیں گی تو یہ بینا کیوں رہیں۔

اگر یہ حالت ہوئی کہ میری آنکھیں اس کے دیدار کے قابل ہوئیں اور اِنہیں دیدار کرایا جائے گا تو پھر روتی اِس لیے ہوں کہ یہ تو دو آنکھیں ہیں، اگر ہزار آنکھیں بھی

ہوں تو سب اس نعمت پر قربان کر دوں یعنی پھر میں اِن کی خوش نصیبی پر روتی ہوں۔ گویا اگر دیدار نہیں کر سکتی تو بدنصیبی پر روتی ہوں اور اگر دیدار نصیب ہوگا تو پھر خوش نصیبی پر روتی ہوں۔

یہ سن کر امام حسن بصری فرمانے لگے: بیٹی! میں تو تمہارے درد کا مداوا کرنے آیا تھا مگر خود سراپا درد بن کر جا رہا ہوں۔ میں تمہارا طبیب اور معالج بن کر آیا تھا مگر اب خود مریض بن کر جا رہا ہوں۔ یہ فرماکر آپ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ (الرفاعی، حالة أهل الحقيقة مع الله /190، الرقم/34)

یہ کیفیت تب ہی ہوتا ہے جب آدمی اپنی بشریت اور انانیت کے پنجر سے باہر نکلتا ہے۔ اے بندے! جب تک تو اپنے نفس اور نفسانیت سے ہجرت نہ کرے اور بشری اور نفسانی شہوات کا لبادہ ترک نہ کردے تب تک تو قرب کی منازل سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایسی بندگی قائم نہ ہو، اس وقت تک وہ تجھ پر قرب کا راستہ نہیں کھولتا۔ جن خوش نصیبوں پر قرب کا دروازہ کھلتا ہے اور اُن کے دل اللہ کے ساتھ حضوری پا لیتے ہیں تو پھر اُن کا ظاہر خلق کے ساتھ رہتا ہے مگر باطن ہمیشہ حق کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ مخلوق کے ساتھ، بچوں، فیملی اور دوستوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور زندگی گزارتے ہیں، اُنہی میں سے ہوتے ہیں مگر ان کا قلب حق کے ساتھ جُڑا رہتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کے انعامات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

طریقِ قرب کے دو عنوانات: فصل اور وصل

قرب کے راستے کے دو عنوانات ہیں:

1۔ فصل 2۔ وصل

فصل؛ جدائی کو کہتے ہیں اور وصل؛ ملاپ کو کہا جاتا ہے۔ فصل یہ ہے کہ دل ہر غیر سے جُداہوجائے۔ جس شے نے بھی اللہ کا قرب چھینا تھا، اللہ اور بندے کے درمیان پردے حائل کیے تھے، اُس سے فصل کرنا، یعنی اُس سے جدا ہونا ہوگا۔ جب بندہ اُس سے جدا ہوتاہے تو وصل نصیب ہوجاتا ہے۔ بندہ اِدھر سے کٹتا ہے تو اُدھر جڑ جاتا ہے۔ یہ مقام وصال ہے۔

حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے بندے! جب تو مخلوق سے مر جاتا ہے یعنی مخلوق، دنیا اور جاہ و منصب سے اپنے دل

کے رشتے کو توڑ دیتا ہے تو تمہیں کہاجاتاہے کہ اللہ نے تم پر رحم فرما دیا۔ پھر جب تو اپنے ارادہ کو فنا کرتا ہے تو تمہیں کہاجاتا ہے کہ اللہ نے تم پر رحم کیا، تیرا ارادہ مرگیا اور تیرے اندر مولیٰ کا ارادہ قائم ہوگیا۔۔۔ پھر ایک مرحلہ آتا ہے کہ جب آدمی اپنا ارادہ بھی ختم کر دیتا ہے تو پھر اسے آواز آتی ہے کہ تجھے زندہ کر دیا گیا۔ جب آدمی کو یہ زندگی ملتی ہے تو بندہ اللہ کے ارادہ سے زندہ ہوجاتا ہے۔(فتوح الغیب: 10)

حضرت بایزید بسطامیؒ کے ایک شاگرد کو خواب میں اللہ رب العزت کی زیارت ہوئی تواللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سارے لوگ مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگتے ہو، سوائے ابو یزید بسطامی کے، وہ مجھ سے کچھ نہیں مانگتا سوائے میرے۔ وہ جب بھی مانگتا ہے تو مجھ سے مجھ ہی کو مانگتا ہے۔ یعنی اس نے دنیا سے دل کو اِتنا کاٹ لیا ہے کہ میرے سوا کسی اور چیز کی طلب اور تڑپ ہی اس میں نہیں رہی۔

اللہ رب العزت نے حضرت بایزید بسطامی سے عالمِ کشف میں فرمایا: اے بایزید بسطامی! مانگ کیا مانگتا ہے؟ حضرت بایزید بسطامی نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں ، سوائے اِس کے کہ جوتو چاہتا ہے۔ یعنی میرے سارے ارادے، تیرے ارادہ میں فنا ہوجائیں۔۔۔ میری چاہتیں، تیری چاہت میں فنا ہوجائیں۔۔۔ میری خواہش، تیرے امر میں فنا ہوجائے۔۔۔ اور سارے دوریاں، تیری قربت میں فنا ہو جائیں۔

حرفِ آخر!

اگر دیکھنا ہو کون شخص مقرب ہے اور اِس کے دل کو اللہ کا کتنا قرب نصیب ہوگیا ہے تو یہ دیکھیں کہ کیا اس کی ظاہری زندگی، عمل اور اخلاق میں درج ذیل دس چیزیں موجود ہیں:

1۔ ہر معاملے میں اُس کے دل میں اللہ کا حیا ہو۔

2۔ زندگی میں ہمہ وقت اُس کا دھیان صرف اللہ کی رضا میں رہے اور وہ شکوہ نہ کرے۔

3۔ مخلوق کے لیے اُس کے دل میں کامل سلامتی ہو۔ کسی کے لیے کوئی حقد، حسد،

تنگی، غصہ، ناراضگی، مقابلہ، انتقام، نفرت، بغض ، کینہ نہ ہو اس کا دل ہر ایک کے لیے وسیع ہو۔

4۔اس کی آنکھ کسی کی بُرائی نہ دیکھے بلکہ بلکہ اس کی نظر ہمیشہ دوسروں کی اچھائی پر رہے۔

5۔ دنیا اور آخرت کے جمیع امورمیں اللہ پر توکل رہے۔ ہر چیز میں محنت اور کوشش کرے مگر توکل نہ ٹوٹے اور کبھی مایوسی اور پریشانی کا شکار نہ ہو۔

6۔اللہ کی تمام مخلوق کا خیر خواہ ہو اور ہرایک کی اچھائی اور ترقی دیکھ کر اس کا دل خوش ہو۔

7۔ گنہگار کے لیے بھی اُس کے دل میں رحمت وشفقت ہو۔ایسا تب ہی ہوتا ہے کہ دوسروں کی گنہگاری پر ہر وقت آنکھیں نہ جمائے رکھیں۔ گنہگاری پہ نگاہ جمائے گا تو بندہ کسی کے ساتھ بھی شفقت نہیں کر سکتا۔اللہ بھی اگر ہماری گنہگاری اور خرابیوں پر اپنی نظر رکھتا تو مخلوق پر شفقت نہ کرتا۔اللہ کی رحمت کے اِس تصور کو اپنانا چاہیے۔

8۔ باہمی رشتوں کو بہتر بنائیں یعنی وہ شخص جسے اللہ کا قرب نصیب ہوجاتا ہے پھر وہ کبھی بگاڑ پیدا نہیں کرتا اور لوگوں کے درمیان دوریاں پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتا بلکہ اُن کے درمیان رشتوں کو اُستوار کرتا ہے اور محبتیں قائم کرتا ہے۔

9۔ پوری اُمت کی بہتری کے لیے اور کمزورں، فقراء، مساکین، اپنے، پرائے ہر ایک کی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔اس کے دل میں پوری اُمت کا ایک درد ہوتاہے۔

10۔ ہروقت اور ہر حال میں اللہ سے حسنِ ظن رکھتا ہے۔

مذکورہ علامتیں بندے کے ظاہر میں نظر آئیں یا بندہ خود اپنے اندر انھیں محسوس کرے تو وہ اندازہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوری کے عذاب اور سزا سے بچا لیا ہےاور قربت کی طرف اُس کا سفر شروع کروا دیا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن تمام امور کو اپنانے کی توفیق دے تاکہ ہم اپنی زندگی میں قرب الٰہی کی لذت پائیں۔۔۔ہمارے دل اللہ کی قربت کے چشموں سے فیض پائیں۔۔۔دوریاں ختم ہوں اور زندگی کے وہ حجابات جنہوں نے ہمیں اللہ رب العزت سے دور کررکھا ہے ، وہ حجابات دور ہوجائیں۔

تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے

ڈاکٹر فرح ناز

امسال یکم رمضان کی بابرکت ساعتیں اور 19 فروری کا روشن دن جو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا یوم ولادت ہے، ایک ہی دن آئے۔ یوں رحمت کے مہینے کی ابتداء اور ایک مردِ علم و اخلاص کی نسبت نے اس دن کو نور پر نور بنا دیا۔ گویا رمضان المبارک کی برکتیں اور فکر و نسبت کی خوشبو ایک ہی دن میں سمٹ آئی ہوں۔

ہمارے شیخ!"ایک زندہ روایت، ایک جاری تحریک اور مجدد عصر کی صورت میں ایک عہدِ نو کی تجدید" ہیں۔ کچھ شخصیات تاریخ کا حصہ نہیں بنتیں، وہ خود تاریخ کا دھارا موڑ دیتی ہیں۔ کچھ نام محض نام نہیں ہوتے، وہ فکر، مزاج اور عہد کی علامت بن جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر اور عہد ساز شخصیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہے، جنہیں دنیا شیخ الاسلام کے لقب سے جانتی ہے اور ہم کارکن انہیں اپنے فکری و روحانی رہبر کے طور پر پہچانتے ہیں۔

یہ تحریر کسی مرحوم کی یادگار نہیں، بلکہ ایک زندہ مشن، ایک متحرک تحریک اور ایک جاری عہد کی تجدید کا اظہار ہے۔

خلوص کی وہ راہ جس پر دھند نہیں چھائی

شیخ الاسلام کی زندگی کا سب سے روشن پہلو ان کا اخلاص ہے۔ وہ جس راہ پر بھی چلے، جس میدان میں بھی اترے، اور جو کام بھی کیا۔ وہ کسی ذاتی مفاد، وقتی مقبولیت

یا سیاسی مصلحت کے لیے نہیں بلکہ خالص نیت اور واضح مقصد کے ساتھ تھا۔ان کے سفر میں شہرت کی چمک نہیں بلکہ خدمت کی روشنی ہے۔ان کی جدوجہد میں وقتی نعروں کی گونج نہیں بلکہ اصولوں کی استقامت ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر کام میں ایک روحانی شفافیت اور فکری پاکیزگی محسوس ہوتی ہے۔جیسے نیت کی صفائی نے عمل کو بھی نورانی بنا دیا ہو۔

وہ جس میدان میں بھی اترے — چاہے علم ہو، دعوت ہو، تنظیم ہو یا عالمی مکالمہ — وہاں ان کی نیت کی پاکیزگی، ارادوں کی پختگی اور مقصد کی بلندی نمایاں رہی۔ان کا سفر مفاد کا نہیں، مشن کا سفر ہے۔ان کا انداز شہرت کا نہیں، خدمت کا ہے۔ان کی جدوجہد وقتی مقبولیت کے لیے نہیں، دائمی اثر کے لیے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر قدم میں ایک روحانی سنجیدگی اور فکری شفافیت دکھائی دیتی ہے — جیسے نیت کی پاکیزگی نے راستوں کو بھی روشن کر دیا ہو۔

علم کا وقار، عمل کی حرارت

شیخ الاسلام کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے علم کو صرف کتابوں میں محفوظ نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرے کی اصلاح اور امت کی بیداری کا ذریعہ بنایا۔ان کی تصنیفات کی تعداد ہو یا خطابات کی وسعت — ہر جگہ ایک منظم فکر،

ایک مربوط نظامِ استدلال اور قرآن و سنت سے جڑا ہوا علمی اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔انہوں نے عقیدہ، فقہ، تصوف، سیرت، بین المذاہب ہم آہنگی، انتہا پسندی کے رد اور جدید ریاستی تصورات تک ہر موضوع پر ایسی گفتگو کی جس میں روایت کی گہرائی اور معاصر شعور کی وسعت یکجا ہو گئی۔

دعوت جو لاٹھی سے نہیں، رحمت سے چلتی ہے

آپ کی فکر کا مرکزی نکتہ یہ رہا کہ اسلام جبر نہیں، جذب ہے؛ تصادم نہیں، توازن ہے؛ اور شدت نہیں، شفقت ہے۔اسی اصول پر انہوں نے عالمی سطح پر امن، اعتدال اور مکالمے کی دعوت دی۔جب دنیا اسلام کو شدت کے آئینے میں دیکھ رہی تھی تو شیخ الاسلام نے علمی دلائل اور فکری استحکام کے ساتھ بتایا کہ اسلام کی اصل روح رحمت، عدل اور انسانیت کی تکریم ہے۔

تحریک کا شعور، تنظیم کا وقار

شیخ الاسلام کی قیادت میں قائم ہونے والی منہاج القرآن انٹر نیشنل محض ایک تنظیم نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر تعلیمی، فکری، اخلاقی، معاشرتی اور عملی تحریک ہے۔یہ تحریک مدارس، کالجز، یونیورسٹیز، فلاحی اداروں، یوتھ فورمز اور خواتین ونگز کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ، محمدی معاشرے کا قیام اور ایک متوازن اسلامی شخصیت کی تعمیر نو کا کام کر رہی ہے۔

ہم جیسے کارکنوں کے لیے یہ محض وابستگی نہیں بلکہ ایک شعوری انتخاب ہے۔کیونکہ یہاں فرد کی اصلاح، معاشرے کی تعمیر اور امت کی بیداری تینوں پہلو یکجا نظر آتے ہیں۔

زندہ شخصیات کا اعتراف: ایک تہذیبی ضرورت

ہم عموماً اپنے محسنوں کو ان کے وصال کے بعد یاد کرتے ہیں، ان کی خدمات کو بعد میں سراہتے ہیں مگر شیخ الاسلام کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ زندہ شخصیات کی قدر کرنا، ان کے کام کو آگے بڑھانا اور ان کے مشن کا حصہ بننا ہی اصل خراجِ تحسین ہے۔ان کی سالگرہ دراصل ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک فکر کی تجدید کا دن ہے۔یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ علم کو کردار میں ڈھالنا ہے۔۔۔دعوت کو اخلاق کے ساتھ جوڑنا ہے۔۔۔اور انقلاب کو دلوں سے شروع کرنا ہے۔

کارکن کی نظر سے: ایک عہد کی تجدید

میں بطور ایک ادنیٰ کارکن یہ محسوس کرتی ہوں کہ شیخ الاسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کارکن کو صرف ہدایت نہیں دیتے بلکہ اسے اعتماد بھی دیتے ہیں۔۔۔ وہ صرف نظریہ نہیں دیتے بلکہ کردار بھی بناتے ہیں۔۔۔وہ صرف منزل نہیں دکھاتے، سفر کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں۔

- ان کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر نیت خالص ہو، فکر واضح ہو اور نظم مضبوط ہو تو ایک فرد بھی تحریک بن سکتا ہے۔اسی لیے "تیرا حوالہ..." ایک کارکن کی نہ صرف کیفیت ہے بلکہ اس کا مکمل تعارف ہے۔

بطور ایک ادنیٰ کارکن، میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ جب ہم اپنی جدوجہد، اپنی دعوت یا اپنے فکری مؤقف کا ذکر کرتے ہیں تو اگر اس کے پیچھے شیخ الاسلام کی تربیت، ان کی فکر اور ان کے مشن کا حوالہ نہ ہو تو وہ بات ادھوری سی محسوس ہوتی ہے۔

کیونکہ انہوں نے ہمیں نیت کی اصلاح سکھائی۔۔۔ نظم کی پابندی سکھائی۔۔۔ علم کو عمل میں ڈھالنا سکھایا۔۔۔

اسی لیے دل یہ کہتا ہے کہ "تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے" یہ حوالہ شخصیت پرستی کا نہیں بلکہ اصول پرستی کا ہے۔یہ تعلق فرد سے بڑھ کر، ایک روشن اور منور فکر سے ہے۔۔۔ یہ وابستگی جذبات کی نہیں، شعور کی ہے۔

تجدیدِ عہد

شیخ الاسلام کی سالگرہ محض عمر کے ایک سال بڑھنے کا نام نہیں، بلکہ ہمارے لیے عہد کی تجدید کا موقع ہے۔یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم بھی اپنے اندر وہی خلوص پیدا کریں۔۔۔ ہم بھی اپنی دعوت میں وہی توازن اختیار کریں۔۔۔اور ہم بھی اپنی زندگی کو مقصد سے جوڑ دیں۔ شیخ الاسلام کی سالگرہ محض ایک مبارک دن نہیں، بلکہ یہ اپنے عہد کی تجدید، اپنی ذمہ داری کے احساس اور اپنے کردار کی اصلاح کا موقع ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو صحت، عافیت اور مزید علمی و روحانی برکات عطا فرمائے، ان کے اخلاص کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے مشن کا سچا، باعمل اور مخلص سپاہی بنائے۔آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

حضرت امیر خسروؒ کا شہرۂ آفاق کلام

ڈاکٹر انیلہ مبشر

دنیائے ادب کی عظیم الشان ہستی امیر خسرو برصغیر کی وہ مایہ ناز اور ہمہ جہت شخصیت ہیں جن کی ذات کئی کمالات کا مجموعہ رہی ہے۔آپ قادر الکلام شاعر، بلند پایہ نثر نگار، مورخ تذکرہ نویس اور بے مثل ماہر موسیقی ہیں۔اس حیثیت سے دنیا کے نابغہ روزگار اور باکمال افراد کی صفت میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔امیر خسرو ایک درباری شاعر اور شاہی ندیم کی حیثیت سے ہندوستان کے علمی، ادبی و سیاسی منظر نامے پر وارد ہوئے۔آپ سوز و گداز، عشق و مستی، رنگینی و رعنائی، جذب و شوق اور وارفتگی و بے خودی کے شاعر تھے۔رفتہ رفتہ مرشد کامل حضرت نظام الدین اولیاؒ کی صحبت نے انہیں تصوف کے معرکۃ الآراء مسائل سے اس طرح روشناس کروایا کہ علم و عرفان اور تصوف و معرفت کے لطیف احساسات ومشاہدات کو حسن خوبی سے بیان کرنے میں کمال مہارت حاصل کر گئے۔یہاں تک کہ ان کے کلام کو رمز عشق اور آشنائے حقیقت نے دوآتشہ بنادیا۔علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر ارمغانِ حجاز میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں۔

"عطا کن شور رومی سوزِ خسرو"

گویا خسرو کا سوز و گداز اس قدر متاثر کن تھا کہ علامہ محمد اقبال بھی اس کی تمنا کرتے تھے۔امیر خسرو کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی سے وہی نسبت تھی جو مولانا روم کو شمس الدین تبریز یا

مولانا عراقی کو خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے تھی۔ علمائے علم و فن کے نزدیک مولانا روم کے ہاں اگر عشق و تصوف کا حسین امتزاج ہے تو امیر خسرو کے ہاں عراقی کی طرح تغزل کا غلبہ ہے۔

بقول مولانا حالی امیر خسرو کی غزل کا موضوع جیسا کہ ظاہر الفاظ سے مفہوم معلوم ہوتا ہے عشق مجازی نہ تھا بلکہ وہ حقیقت کو مجاز کے پردہ میں ظاہر کرتے۔ ان کے ایک ایک لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق و محبت کے رنگ میں شرابور تھے۔ یقیناً یہ سب پیر و مرشد کی کرامت تھی۔

امیر خسرو کی پیدائش کا زمانہ تیرھویں صدی عیسوی کا ہے۔ یہ دور عالم اسلام کے لیے بڑا پرآشوب تھا۔ عباسی خلافت زوال کے آخری مراحل میں تھی۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز ویران و سنسان ہوتے جا رہے تھے۔ ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ وسط ایشیا میں منگولوں کے ہولناک سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ مسلمان وسط ایشیا چھوڑ کر برصغیر میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔ یہاں سلاطین دہلی کے زیر سایہ دارالسلام قائم ہو چکا تھا جہاں ہر رنگ و نسل کے لوگ امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ سلاطین دہلی نے منگولوں کے خلاف اور ان کے حملوں کے تدارک کے لیے بہترین حکمت عملی تیار کر رکھی تھی۔ ایسے میں ماوراالنہر کے ایک ترک قبیلہ لاچین کے سردار امیر سیف الدین اپنے قبیلے کے ہمراہ ہجرت کر کے دہلی کے نزدیک ایک قصبہ پٹیالی میں آباد ہو گئے۔ صاحب شمشیر ہونے کے باعث سلطان التمش کی ملازمت اختیار کر لی۔ آپ کی شادی ایک نو مسلم امیر عمادالملک رادت کی بیٹی سے ہوئی۔ اسی متمول گھرانے میں آپ کی (امیر خسرو) پیدائش 1253ء میں ہوئی۔ آپ کا نام ابوالحسن اور لقب یمین الدین تھا۔ خسرو اپنی سخن گوئی کے بارے میں تحفۃ الصغر میں بیان کرتے ہیں کہ

"میرے دودھ کے دانت ٹوٹ رہے تھے، اشعار پھر بھی منہ سے موتیوں کی طرح جھڑتے تھے۔"

آپ نے عزۃ الکمال کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ آپ ابھی سات برس کے تھے کہ والد نے میدان جنگ میں شہادت پائی۔ اس کے بعد اپنے نانا عمادالملک جو درباری امیر تھے کے یہاں پرورش پانے لگے۔ نانا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ ان کے نانا نہیں دوست تھے۔ فیاض نانا کی زیر سرپرستی وہ زندگی کی تلخیوں سے ناآشنا رہے۔

جوان ہوئے تو سلطان غیاث الدین بلبن تخت نشین تھے۔ آپ ان کے بھتیجے کشلو خان جو امرائے دربار میں شامل تھے کے مصاحبِ درباریوں میں شامل ہو گئے۔ یہاں بلبن کے بیٹے بغرا خان کی نظر انتخاب آپ پر پڑی وہ آپ کو اپنے ساتھ لکھنوتی (بنگال) لے گیا مگر وہاں کی آب و

ہوا راس نہ آئی اور آپ رخصت لے کر واپس دہلی چلے آئے۔ 1280ء میں بلبن کے بڑے بیٹے شہزادہ محمد خان کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ شہزاد محمد خان شعرا و صوفیا کا دلدادہ، فنون لطیفہ کا قدر دان، علم دوست اور سخن شناس شہزادہ تھا۔آپ پانچ سال اس کے دربار سے منسلک رہے۔ ملتان کی علمی و ادبی اور شعر و سخن کی مجالس کے روح رواں تھے۔ 1285ء میں شہزادہ محمد خان ایک منگول حملے میں شہید ہو گیا۔آپ بھی گرفتار ہو گئے مگر بمشکل تمام رہائی پائی اور بلبن کے دربار میں پہنچ کر شہزادہ محمد شہید کا پر درد اور حشر انگیز مرثیہ پڑھا جسے فارسی شاعری کا ''در یتیم'' بھی کہا جاتا ہے۔ شعر العجم کے مصنف مولانا شبلی نعمانی کے بقول اس مرثیہ سے دربار میں کہرام مچ گیا۔ سلطان بلبن اس قدر رویا کہ صدمے سے چند دن میں انتقال کر گیا۔

آپ نے اپنی عمر میں گیارہ بادشاہوں کی حکومت دیکھی اور سات کی ملازمت اختیار کی۔ سلطان وقت سے آپ کو ملک الشعرا کا خطاب بھی ملا۔آپ نے بے شمار اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ خاص طور پر مرثیہ، قصائد اور مثنویاں درباری شاعر کی حیثیت سے مرتب کیں مگر خوشامدی طرز سخن اور فقط تعریف و توصیف سے بلند تر ہو کر مسلم تہذیب و ثقافت اور عوامی طرز معاشرت کو بہت موثر انداز میں پیش کیا۔ایک اندازے کے مطابق آپ نے چار لاکھ اشعار کہے۔ تصانیف کی تعداد 92 ہے جو فارسی اور اردو کی ابتدائی شکل برج بھاشا یا ہندوی میں لکھی گئی ہیں۔ان میں تحفۃ الصغر، عزۃ الکمال، بقیہ نقیہ، مثنوی ہشت بہشت، مثنوی قرآن السعدین، مثنوی دیول رانی خضر خان، مثنوی نہ سپہر، لیلیٰ مجنوں، مفتاح الفتوح، تغلق نامہ، خمسہ نظامی، خزائن الفتوح، مطلع الانوار، افضل الفوائد، خالق باری، جواہر خسروی کافی مشہور ہیں۔ غزل کے پانچ دیوان بھی شامل ہیں۔تذکرہ و تاریخ نگاری کے اعتبار سے آپ کی مثنوی تصنیف خزائن الفتوح بہت اہم ہے جو تاریخ علائی کہلاتی ہے اور سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد سے متعلق ہے۔آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات افضل الفوائد کے نام سے جمع کیے جو چشتی سلسلے میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔آپ کی یہ شعری و نثری کاوشیں مسلم عہد رفتہ کی ان مٹ نشانی سمجھی جاتی ہیں۔

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا ضیاالدین برنی امیر خسرو کے ہم عصر اور ہم نشین تھے۔آپ کے شاعرانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''امیر خسرو قدیم اور نئے سب شاعروں کے خسرو یعنی بادشاہ ہیں۔ جو اختراع، معنی، تصنیفات کی کثرت اور رموز غریب کے اظہار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔''

اس کے ساتھ ساتھ بطور صوفی ان کی روحانی تجلیات کو اس طرح ضبط تحریر میں لاتے ہیں کہ

"تمام فضل و کمال اور فصاحتِ فن و بلاغت کے ساتھ وہ مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ صوم و صلوۃ اور قرآن خوانی میں گزرا۔ وہ مستعدی اور لازمی عبادات میں یکتا تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ شیخ (حضرت نظام الدین) کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ میں نے اتنا عقیدت مند مرید کوئی اور نہیں دیکھا۔ عشق و محبت الٰہی سے ان کو پورا حصہ ملا تھا۔ صاحب سماع اور صاحب حال و وجد تھے۔"

امیر خسرو کی زندگی کا یہ اعجاز تھا کہ ذاتی زندگی میں صوفی منش ہونے کے ساتھ ساتھ بطور شاہی مصاحب پیشہ وارانہ مہارت میں بھی یکتا تھے۔ صاحب دل ہونے کے ساتھ ساتھ عالی دماغ اور معاملہ فہم بھی تھے۔ دُرشت مزاج غیاث الدین بلبن کی مجالس میں آپ کی آمد و رفت رہتی۔ معزالدین کیقباد جیسا رند اور سرمست سلطان آپ کا گرویدہ تھا، جلال الدین خلجی جیسا نیک دل فرماں روا آپ پر فریفتہ تھا۔ علاؤالدین خلجی جیسا سخت گیر حکمران کو آپ کے بغیر چین نہیں ملتا تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ خلجی جیسا لاپرواہ سلطان بھی آپ کا گرویدہ تھا۔ غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق جیسے بیدار مغز فرماں رواں کے درباروں میں آپ کو محبوبیت حاصل رہی۔

آپ نے اپنی پیشہ وارانہ اور صوفیا زندگی میں کمال توازن قائم کر رکھا تھا۔ وہی توازن جو بال سے باریک پل صراط پر چلنے کے لیے قائم کرنا ہوتا ہے۔ خسرو شاہی ندیم کی حیثیت سے شاہی آقاؤں کو قصیدہ گوئی، مثنوی نگاری، خوش گلوئی، فن موسیقی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے خوش کرتے تو دوسری طرف خلوت میں روحانی آقا حضرت نظام الدین اولیاء سے سوز عشق کا درس حاصل کرتے۔ مرشد کے ادنی غلام بن کر منقبت گوئی کرتے، ملفوظات قلمبند کرتے اور مجلس سماع کے روح رواں بن کر شراب معرفت کے جام نوش کرتے۔

سیدالاولیاء کے مصنف امیر خورد کے بقول آپ رات کو اپنے روحانی آقا کے ہمراہ خلوت آرا ہوتے تو دن بھر کے تمام قصے، شاہی انجمن و مجالس کے تمام احوال مرشد کے گوش گزار کرتے۔ اخبار الاخیار کے مصنف شیخ عبدالحق دہلوی تحریر کرتے ہیں کہ امیر خسرو نے درباری وابستگی کے باوجود دنیاوی بود و باش سے خود کو الگ رکھا۔ اسی کا فیض تھا کہ صوفیانہ صفات کی برکات سے آپ کے کلام کو مقبولیت اور قلبی تاثیر عطا ہوئی۔

خسرو کی شاعری سوز عشق کا مظہر ہے جو کبھی عشق الٰہی، کبھی عشق رسول ﷺ، کبھی عشق مرشد، کبھی عشق کائنات، کبھی عشق فطرت، کبھی عشق وطن، کبھی آقائے شاہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عشق کے دلدادہ تھے مگر عشق انگیز کلام کے باوجود انھوں نے کسی صنف نازک کو اپنا معشوق نہیں بنایا۔

ان کی پاکیزہ زندگی مجازی عشق سے بالکل پاک رہی۔ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ اُن کا خاص موضوع ہے۔ ان کا ہر دیوان اور ہر مثنوی عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ سے مزین ہے۔ ان روحانی جذبات کو انھوں نے جس شاعرانہ کمال سے پیش کیا ہے۔ اس سے ان کی شاعری میں خاص عارفانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ عرش سے فرش تک خدائے واحد کی حکمرانی کا ذکر ہو یا اس کی لامحدود صفات عالیہ اور اوصاف کمالیہ کا اعتراف ہر جگہ شاعرانہ بلاغت سے کام لیتے ہیں۔ وہ خالق باری سے اپنی عاجزی، بندگی اور عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اور عبد و معبود کے تعلقات کو عارفانہ رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً مثنوی ہشت بہشت کے مندرجہ ذیل اشعار میں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ میرے سر سے خسروانہ یعنی حکمرانی کا خیال دور کر دے۔ میری آنکھوں میں اپنی غلامی کی خاک بھر دے، اپنی بے نیاز درگاہ کے علاوہ تمام لوگوں کے دروازے سے بے نیاز کر دے۔ تیرے راستے پر چلنے کے علاوہ کسی اور کی طرف رخ نہ کروں۔

دور کن یاد خسروی زسرم
پر کن ز خاک بندگی بصرم
بے نیازم کن از درہمہ کس
جز ز درگاہ بے نیازی و بس
آنچناں رہ بخویش کن بازم
کز تو با دیگرے نہ پردازم

آپ کے ہاں نعتیہ کلام میں والہانہ عشقیہ کیفیات موجود ہیں جو وجد و سرور کا باعث بنتی ہیں۔ امیر خسرو کی یہ مشہور نعتیہ غزل عصر حاضر میں بھی محفل سماع میں گائی جاتی ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود، شب جائے کہ من بودم
بہ ہر سو رقص بسمل بود، شب جائے کہ من بودم
نہیں معلوم وہ کون سی منزل تھی جہاں گذشتہ رات میں تھا
ہر طرف وہاں رقص بسمل تھا، جہاں گذشتہ رات میں تھا
پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رخسارے

سراپا آفت دل بود، شب جائے کہ من بودم

وہ محبوب پری پیکر تھا، اسکا قد سرو کی طرح اور رخسار گل لالہ جیسے تھے

وہ دل کے لیے سراپا آفت تھا، جہاں گذشتہ رات میں تھا

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمدؐ شمع محفل بود، شب جائے کہ من بودم

اے خسرو، لامکاں میں خدا خود میر مجلس تھا

حضرت محمدؐ اس محفل کی شمع تھے، جہاں گذشتہ رات میں تھا

آپ کی یہ نعت مبارک اگرچہ آپ کے کسی شعری مجموعہ میں نہیں مگر سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے۔ جس محفل میں سات سو سال بعد بھی یہ نعت گائی جاتی ہے۔ وہ محفل نور محمدی کے نزول سے منور ہو جاتی ہے۔ ہر کس و ناکس پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سراپا عجز و مستی تھے اور اپنے مرشد کی طرح عشق رسول ﷺ میں فنافی الرسول تھے۔

آپ کے شعر و سخن سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف کا درس عشق الٰہی و عشق رسول ﷺ آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا مگر تمام تر وارفتگی کے باوجود آپ نے کبھی اتباع سنت اور احترام شریعت کی خلاف ورزی نہ کی۔ آپ تصوف کی اس معراج پر تھے جہاں آپ احترام آدمیت اور فضیلت انسان کے قائل تھے۔ آپ حکمرانوں سے مخاطب ہو کر انھیں تمام طبقات کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے تاکہ ایک صحرا نورد اور ایک محل نشین دونوں یکساں طور پر خوش و خرم رہیں۔

آپ کا شعری و نثری سرمایہ حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہے۔ آپ کو خاک و طور اور یہاں کے باسیوں سے گہری رغبت تھی۔ آپ کے نزدیک اسی سرزمین پر خالق باری کی خاص عنایات تھیں۔ یہ خطہ ارضی قابل فخر ہے۔ مثنوی نُہ سپہر (نو آسمان) میں آپ نے قریباً چار سو ابیات میں برصغیر کے رہنے والوں اور ہنر مندوں کے فضائل قلمبند کیے ہیں۔ مثنوی عشقیہ (دیول رانی خضر خان) میں وطن کے پھولوں کا نام لے لے کر ذکر کیا ہے کہ یہاں کی سرزمین خوشبو اور پھولوں سے ہمیشہ گلزار رہتی ہے۔ پھولوں کی طرح حسینانِ ہند کو خوبانِ عالم پر ترجیح حاصل ہے۔ اسی مثنوی میں آپ نے ایک باب ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر بھی تحریر کیا ہے کہ یہاں کے علما باعمل ہیں جن کی وجہ سے شریعت کو کمال عزت حاصل ہے اور دہلی بخارا کے ہم پلہ ہیں۔ آپ کا کہنا تھا کہ دہلی میرے لیے بہشتِ بریں ہے جہاں سر بفلک عمارات ہیں،

جہاں بازاروں میں ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ جہاں کا دریا بہتا ہوا شفاف پانی ہے۔ جس کے باغوں میں پھلوں کی بہتات ہے اور بہشتی میووں جیسی شیرینی ہے اور جہاں محبوب کی صحبت ہے۔ شاہ جہاں نے دہلی کا لال قلعہ تعمیر کروایا تو اس کے دروازے پر امیر خسرو کا ہی شعر کندہ کروایا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

آپ اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی کا براہ راست حصہ تھے اور اسی حیثیت سے آپ نے اپنے دور کے ثقافتی و سماجی شعور کی بھرپور تصویر کشی کی ہے۔

خسرو عام و خواص دونوں طبقات کے محبوب و مقبول شاعر ہیں۔ قصیدہ گوئی اور مثنوی نگاری میں انھیں درجہ کمال حاصل ہے۔ سلطان دہلی سے ملک الشعرا کا خطاب بھی پایا۔ موسیقار کی حیثیت سے آپ کو نائیک کا خطاب بھی ملا۔ آپ گائیکی کے کئی راگ، راگنیوں کے طرح دار اور طبلہ و ستار کے موجود ہیں۔ آپ کے بعد آنے والے موسیقاروں یہاں تک کہ تان سین نے آپ کے ترتیب دیئے گئے راگنیوں سے استفادہ کیا۔ آپ کو عوامی سطح پر بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ عوام میں آپ کے گیت، دوہے، پہیلیاں، مکرنیاں، کہہ مکرنیاں اور چھند بہت مقبول تھے۔ ان گیتوں میں اردو زبان کے ابتدائی آثار پائے جاتے ہیں۔ آپ اسے ہندوی کا نام دیتے تھے۔ مقامی زبان ہندوی میں آپ نے تقریباً ایک لاکھ اشعار کہے جو وقت کے ساتھ ناپید ہو گئے مگر ابھی بھی کچھ سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں مثلاً

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی

کاہے کو بیاہے بدلیں کہ رانی بیٹی راج کرے

سب سکھیوں میں چادر میری میلی

میں تو پیاسے نین لڑائی آئی رہے

ایسے گیت میں جو آج بھی گائے جاتے ہیں اور 700 سال گزرنے کے باوجود عوامی پذیرائی اور سحر انگیزی قائم رکھے ہوئے ہیں۔

امیر خسرو کا کلام فارسی کی سحر آفرینی اور مقامی ہندی زبان کی شیرینی کا حسین امتزاج ہے۔ وہ اپنی سخن گوئی کی عظمت کو پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت اور دعاؤں کا اثر قرار دیتے ہیں۔ مرشد کامل سے مکمل ہم آہنگی اور کامل یک رنگی نے خسرو کی شاعری کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ امیر خسرو کے خیال میں اس رفعت مقام کی وجہ خود پیر و مرشد کی صحبت، توجہ اور تربیت تھی۔ دوسری طرف خود

حضرت نظام الدین اولیاؒ امیر خسرو کو اپنا محرم اسرار اور متاع گراں بہا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ روز قیامت خدا جب مجھ سے پوچھے گا کہ نظام الدین ہمارے واسطے دنیا سے کیا لائے۔ عرض کروں گا۔ خسرو کے دل کا سوز الٰہی بسوز سینہ ایں ترک مرا بہ بخشش۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی تو چھ ماہ بعد ہی 1325ء میں امیر خسرو بھی منزل جاناں کے راہی ہوئے اور مرشد کے بائیں مزار دفن ہوئے۔ آج خانقاہ محبوبیؒ مرجع خلائق ہے۔ ہر خاص و عام کے لیے صلائے عام ہے۔ لوگ آتے ہیں رشد و ہدایت اور تالیف قلوب کا درس پاتے ہیں۔ خانقاہ میں محفل سماع جاری رہتی ہے۔ روحانی تجلیات کے نزول میں امیر خسرو کے یہ اشعار عجب سماں باندھتے ہیں۔

آج رنگ ہے ماہا رنگ ہے
ایسو پیر پایا نظام الدین اولیا
جگ اجیاروں میں تو ایسا رنگ اور نہیں دیکھوری
دیس بدیس میں ڈھونڈی پھری ہوں
تورا رنگ من بھا یورے
نظام الدین اولیا آج رنگ ہے۔ ماہا رنگ ہے
اور
چھاپ تلک سب چھینی رے
موسے نیناں ملاکے
نیناں ملاکے، سینا لڑاکے، اپنی سی کرلینی رے
موسے نیناں ملاکے
خسرو نظام کے بل بل جاؤں
موہے سہاگن کینی رے
موسے نیناں ملاکے، چھاپ تلک سب چھینی رے
موسے نیناں ملاکے

رمضان المبارک میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک معمولات

حافظہ سحر عنبرین

رمضان المبارک کے ماہ سعید میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولاتِ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں عام دنوں کی نسبت بہت اضافہ ہو جاتا۔اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت اپنے عروج پر ہوتی۔اور اسی شوق اور محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کا قیام بھی بڑھا دیتے۔رمضان المبارک میں درج ذیل معمولات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا حصہ ہوتے۔

1۔ کثرتِ عبادت و ریاضت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ، وابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ، وَأَشْفَقَ مِنْهُ. (بیہقی، شعب الایمان، 3 : 310، رقم : 3625)

”جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازوں میں اضافہ ہوجاتا، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے اور اس کا خوف طاری رکھتے۔“

2۔ قیام اللیل

رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راتیں تواتر و کثرت کے ساتھ نماز میں کھڑے رہنے، تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں محویت سے عبارت ہیں۔ نماز کی اجتماعی صورت جو ہمیں تراویح میں دکھائی دیتی ہے اسی معمول کا حصہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک میں قیام کرنے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

”جس نے ایمان و احتساب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس دن وہ بطن مادر سے پیدا ہوتے وقت (گناہوں سے) پاک تھا۔“

(نسائی، السنن، کتاب الصیام، باب ذکر اختلاف یحیی بن أبی کثیر والنضر بن شیبان فیہ، 4 : 158، رقم : 2208۔2210)

3۔ سحری و افطاری

رمضان المبارک میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روزے کا آغاز سحری کھانے اور اختتام جلد افطاری سے کیا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سحری کھانے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً.

(مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل السحور و تاکید استحبابہ، 2 : 770، رقم : 1095)

”سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔“

ایک اور مقام پر حضرت ابو قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے۔“

(مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل السحور و تاکید استحبابہ، 2 : 771، رقم : 1096)

4۔ اعتکاف

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتکاف کرنے کا معمول تھا۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الا واخر والاعتکاف فی المساجد کلھا، 2 : 713، رقم : 1922)

”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری دس دن اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا ہے۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا، اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن اعتکاف کیا۔“

(بخاری، الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان، 2 : 719، رقم : 1939)

5۔ کثرت صدقات و خیرات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صدقات و خیرات کثرت کے ساتھ کیا کرتے اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سوالی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در سے خالی واپس نہ جاتا رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور صدقات و خیرات میں کثرت سال کے باقی گیارہ مہینوں کی نسبت اور زیادہ بڑھ جاتی۔اس ماہ صدقہ و خیرات میں اتنی کثرت ہو جاتی کہ ہوا کے تیز جھونکے بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتے۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ علیه السلام كَانَ (رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم) أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکون فی رمضان، 2 : 672 - 673، رقم : 1803)

"جب حضرت جبریل امین آجاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلائی کرنے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔"

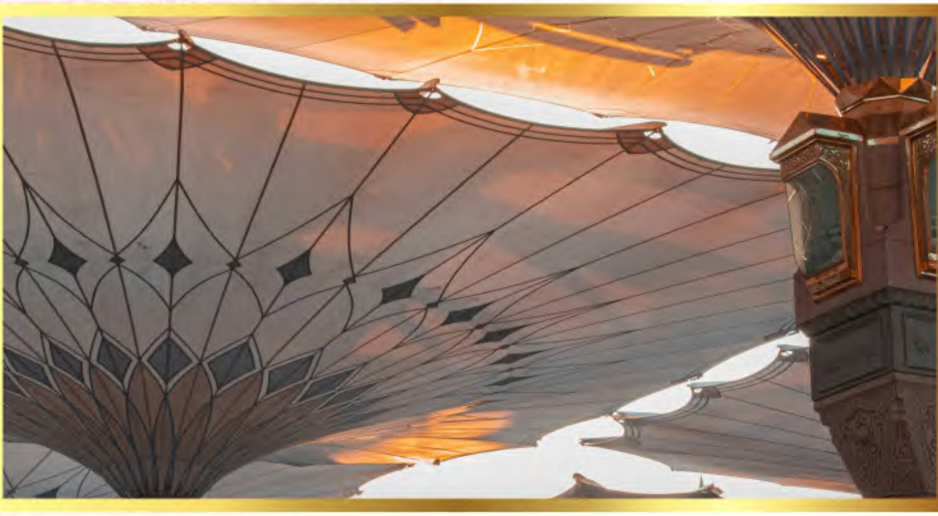

حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامِ محبت لے کر آتے تھے۔ رمضان المبارک میں چونکہ وہ عام دنوں کی نسبت کثرت سے آتے تھے اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آنے کی خوشی میں صدقہ و خیرات بھی کثرت سے کرتے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے کئی فوائد اخذ ہوتے ہیں مثلاً

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود و سخا کا بیان۔

رمضان المبارک میں کثرت سے صدقہ و خیرات کے پسندیدہ عمل ہونے کا بیان۔

نیک بندوں کی ملاقات پر جود و سخا اور خیرات کی زیادتی کا بیان۔

قرآن مجید کی تدریس کے لئے مدارس کے قیام کا جواز۔

(نووی، شرح صحیح مسلم، 15 : 69)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کا کیسے استقبال فرماتے؟

جواب: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک سے اتنی زیادہ محبت فرماتے کہ اکثر اس کے پانے کی دُعا فرماتے تھے اور رمضان المبارک کا اہتمام ماہ شعبان میں ہی روزوں کی کثرت کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے شوق و محبت سے ماہ رمضان کا استقبال فرماتے۔

1۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مبارک مہینے کو خوش آمدید کہہ کر اس کا استقبال فرماتے اور صحابہ کرام سے سوالیہ انداز میں تین بار دریافت کرتے:

مَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ وَتَسْتَقْبِلُوْنَ

"کون تمہارا استقبال کر رہا ہے اور تم کس کا استقبال کر رہے ہو؟"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی وحی اترنے والی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: پھر کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِكُلِّ أَهْلِ الْقِبْلَةِ.

(منذری، الترغیب والترھیب، 2 : 64، رقم: 1502)

"بے شک اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی پہلی رات ہی تمام اہلِ قبلہ کو بخش دیتا ہے۔"

2۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جیسے ہی ماہ رجب کا چاند طلوع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ، وَشَعْبَانَ، وَبَارِكْ لَنَا فِي رَمَضَانَ. (أبو نعیم، حلیة الأولیاء، 6 : 269)

"اے اللہ! ہمارے لئے رجب، شعبان اور (بالخصوص) ماہ رمضان کو بابرکت بنا دے۔"

3. عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی الله عنهما قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ ﷺ قَالَ: ذَالِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ. (نسائي، السنن، كتاب الصيام، باب صوم النبي صلى الله عليه وآله وسلم بأبي هو وأمي، وذكر اختلاف الناقلين للخبر في ذلك، 4 : 201، رقم : 2357)

(أحمد بن حنبل، المسند، 5 : 201، رقم : 21801)

"حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! جس قدر آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس قدر میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان میں (آتا) ہے اور لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں حالانکہ اس مہینے میں (پورے سال کے) عمل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل روزہ دار ہونے کی حالت میں اُٹھائے جائیں۔"

4۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلسل دو ماہ تک روزے رکھتے نہیں دیکھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان المعظم کے مبارک ماہ میں مسلسل روزے رکھتے کہ وہ رمضان المبارک کے روزہ سے مل جاتا۔(نسائي، السنن، کتاب الصيام، ذکر حديث أبي سلمه في ذلک، 4 : 150، رقم : 2175)

ماہ شعبان ماہ رمضان کے لئے مقدمہ کی مانند ہے لہٰذا اس میں وہی اعمال بجا لانے چاہییں جن کی کثرت رمضان المبارک میں کی جاتی ہے یعنی روزے اور تلاوتِ قرآن حکیم۔علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ 'لطائف المعارف (ص : 258)' میں لکھتے ہیں :

"ماہ شعبان میں روزوں اور تلاوتِ قرآن حکیم کی کثرت اِس لیے کی جاتی ہے تاکہ ماہ رمضان کی برکات حاصل کرنے کے لئے مکمل تیاری ہو جائے اور نفس، رحمن کی اِطاعت پر خوش دلی اور خوب اطمینان سے راضی ہو جائے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول سے اِس حکمت کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ شعبان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :

كان المسلمون إِذَا دَخَلَ شَعْبَانُ أكبُّوا على المصاحِفِ فقرؤوها، وأَخْرَجُوْا زَكَاةَ أموالهم تقوِيَةً للضَّعيفِ والمسكينِ على صيامِ رمضانَ.

(ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف : 258)

"شعبان کے شروع ہوتے ہی مسلمان قرآن کی طرف جھک پڑتے، اپنے اَموال کی زکوۃ نکالتے تاکہ غریب، مسکین لوگ روزے اور ماہ رمضان بہتر طور پر گزار سکیں۔"

ماہِ صیام
جس میں جنت کے دروازے کھُل جاتے ہیں

کوثر تسنیم

رمضان اور اس کے روزوں کے تعلق سے ہمیں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس پاک مہینے میں روزہ رکھنے کا مطلب صرف بھوکے اور پیاسے رہنا نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز کرنا بھی ہے۔

الحمد اللہ ایک بار پھر رحمتوں و برکتوں کا مہینہ رمضان کی آمد ہو چکی ہے۔ یہ اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے اور اس ماہ مبارک میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ ”حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔“ ایک دیگر روایت میں ہے کہ ”آسمان کے دروازے کھول کر دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔“ (تجرید صحیح بخاری شریف-881)

یہ وہ مہینہ ہے جسے اللہ نے ہمارے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے یہ مہینہ اللہ کا دیا ہوا ایک تحفہ ہے۔ اسی مہینہ میں اللہ نے اپنی آخری کتاب

قرآن ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔ اس تعلق سے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ""ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔" (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 185)

اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک رمضان کا 'روزہ' بھی ہے۔ ماہِ رمضان میں روزہ رکھنا ہم پر فرض ہے اور یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ

ترین عبادتوں میں شامل ہے۔اللہ کے نزدیک روزہ دار کا بڑا رتبہ ہے۔قرآن میں اللہ پاک فرماتے ہیں ”اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیا کی پیروی کرنے والوں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔“ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر183) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے 'روزوں' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے محض اللہ کے واسطے ثواب سمجھ کر رکھے، تو اس کے سب پہلے گناہ صغیرہ بخش دیے جائیں گے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پیاری ہے۔اللہ پاک نے تو قیامت کے دن روزہ دار کے لیے بے حد ثواب کا وعدہ کیا ہے۔اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں ”بندہ میری وجہ سے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے۔صرف میری وجہ سے اپنی خواہشات کو مارتا ہے۔ روزہ صرف میرے لیے ہے، میں اس کی جزا دوں گا۔“

ماہِ رمضان کی کئی فضیلتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس ماہ میں ایک نیکی کا کئی گنا زیادہ ثواب عطا کیا جاتا ہے۔اس ماہ کے تعلق سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے نجات کا ہے۔حالانکہ اس بیان سے متعلق حدیث کو ضعیف بھی بتایا جاتا ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ یہ ماہ ہمارے لیے باعث رحمت ہے اور مغفرت و جہنم سے نجات کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ماہ کے آخری عشرہ میں ہی شب قدر کی تلاش کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ ”حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام ریّان ہے۔اس دروازے سے روزہ داروں کے علاوہ جنت میں کوئی داخل نہ ہو گا۔قیامت کے دن روزہ داروں کو آواز دی جائے گی کہ روزہ دار کہاں ہیں، چنانچہ یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ان کے داخل ہونے کے بعد وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔“ (تجرید صحیح بخاری شریف-879) اس حدیث سے روزہ دار کا مرتبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

رمضان اور اس کے روزوں کے تعلق سے ہمیں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا

چاہیے کہ اس پاک مہینے میں روزہ رکھنے کا مطلب صرف بھوکے اور پیاسے رہنا نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز کرنا بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے انسان کے واسطے ڈھال کی طرح ہیں۔ اس میں فحش اور جہالت کی باتیں نہ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص جنگ جدال یا گالی گلوج پر تل جائے تو اس سے دو مرتبہ کہہ دے میرا روزہ ہے۔ (تجرید صحیح بخاری شریف-878) ظاہر ہے اس ماہ مبارک میں ہمیں روزہ بھی رکھنا چاہیے اور جھوٹ، غیبت اور غلط کاموں سے پرہیز کرنا چاہئے، تبھی اللہ ہم سب سے راضی ہوں گے۔ ساتھ ہی ہمیں رمضان کے بعد بھی جھوٹ، غیبت اور دیگر برائیوں سے بچنے کی عادت پڑے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص (روزے میں) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنے کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھڑانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (تجرید صحیح بخاری شریف 883)

جہاں تک رمضان کے تیسرے عشرہ میں 'شب قدر' کی تلاش کا معاملہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور (روح القدوس) ہر کام کے (انتظام کے) لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوع فجر تک امن و سلامتی ہے۔'' (سورۃ القدر)

یہی وجہ ہے کہ ہمیں رمضان کے اس آخری عشرہ میں خاص عبادتیں کرنی چاہئیں۔ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتیں کرنی چاہئیں اور تہجد کی نماز بھی پڑھنی چاہیے۔ اللہ نے ہمیں ماہِ رمضان جیسی نعمت عطا کی ہے جس کا ہمیں خوب فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر ہم جانے انجانے میں ہوئے گناہوں کے لیے اس ماہِ مبارک میں اللہ سے معافی نہ مانگیں اور آئندہ گناہوں سے توبہ نہ کریں تو پھر یہ ہماری بدقسمتی ہوگی۔

نوجوانوں میں مطالعے کا رجحان کم کیوں ہو رہا ہے؟

سمیہ اسلام

تعارف

مطالعہ انسانی زندگی کی فکری اور ذہنی نشوونما کا بنیادی ذریعہ ہے۔ کتابیں انسان کی بہترین دوست ہوتی ہیں کیونکہ یہ نہ صرف علم میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو بھی بہتر بناتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے مطالعے کو اپنا شعار بنایا، وہ ترقی کی بلند ترین منازل تک پہنچیں۔ تاہم، موجودہ دور میں ایک تشویشناک حقیقت یہ ہے کہ نوجوانوں میں مطالعے کا رجحان تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ یہ مسئلہ صرف انفرادی سطح تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہو رہے ہیں۔ اگر اس مسئلے پر توجہ نہ دی گئی تو مستقبل میں ایک ایسی نسل سامنے آسکتی ہے جو علم اور تحقیق سے دور ہو گی۔

جدید ٹیکنالوجی کا بڑھتا ہوا استعمال

نوجوانوں میں مطالعے کے رجحان میں کمی کی سب سے بڑی وجہ جدید ٹیکنالوجی کا بے جا استعمال ہے۔ آج کل موبائل فون، سوشل میڈیا، اور انٹرنیٹ نوجوانوں کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکے ہیں۔ فیس بک، انسٹاگرام، ٹک ٹاک اور یوٹیوب جیسی ایپلیکیشنز نوجوانوں کا زیادہ تر وقت لے لیتی ہیں۔ یہ پلیٹ فارمز فوری تفریح فراہم کرتے ہیں جس کی وجہ سے نوجوان کتاب پڑھنے کو وقت کا ضیاع سمجھنے لگتے ہیں۔

مزید یہ کہ سوشل میڈیا مختصر اور فوری معلومات فراہم کرتا ہے جس سے نوجوانوں کی طویل اور گہری تحریریں پڑھنے کی عادت کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً اُن کی توجہ کا دورانیہ کم ہو جاتا ہے اور وہ کتابوں سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

تعلیمی نظام کی خامیاں

ہمارے تعلیمی نظام میں بھی مطالعے کے رجحان میں کمی کی ایک بڑی وجہ موجود ہے۔ اکثر تعلیمی اداروں میں طلبہ کو صرف نصابی کتب تک محدود رکھا جاتا ہے۔ انہیں اضافی کتابیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی جاتی۔ امتحان پاس کرنا ہی اصل مقصد بن جاتا ہے، جبکہ علم حاصل کرنے کی اصل روح نظر انداز ہو جاتی ہے۔

اساتذہ بھی زیادہ تر نصاب مکمل کرنے پر توجہ دیتے ہیں اور طلبہ میں مطالعے کی عادت پیدا کرنے کے لیے کوئی خاص اقدامات نہیں کیے جاتے۔ اگر طلبہ کو شروع سے ہی کتابوں سے محبت سکھائی جائے تو وہ زندگی بھر مطالعے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

والدین کی عدم توجہ

والدین کا کردار بچوں کی تربیت میں نہایت اہم ہوتا ہے۔ اگر والدین خود مطالعے کا شوق رکھتے ہوں تو بچے بھی ان کی تقلید کرتے ہیں۔ لیکن آج کل زیادہ تر والدین خود بھی موبائل اور ٹی وی میں مصروف رہتے ہیں اور بچوں کو مطالعے کی طرف راغب نہیں کرتے۔

بچوں کو کتابیں خرید کر دینا، ان کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا، اور انہیں کہانیاں سنانا مطالعے کی عادت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے آج کل یہ روایت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

لائبریریوں کی کمی اور غیر فعال ہونا

مطالعے کے فروغ کے لیے لائبریریوں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں لائبریریوں کی تعداد کم ہے اور جو موجود ہیں وہ بھی اکثر غیر فعال ہیں۔ جدید سہولیات کی کمی، نئی کتابوں کی عدم دستیابی، اور مناسب ماحول نہ ہونے کی وجہ سے نوجوان لائبریریوں کا رخ نہیں کرتے۔

اگر لائبریریوں کو جدید بنایا جائے اور وہاں نوجوانوں کے لیے دلچسپ اور معلوماتی کتابیں فراہم کی جائیں تو مطالعے کا رجحان بڑھ سکتا ہے۔

تفریح کے دیگر ذرائع کی دستیابی

آج کل نوجوانوں کے پاس تفریح کے بے شمار ذرائع موجود ہیں، جیسے ویڈیو گیمز، فلمیں، اور سوشل میڈیا۔ یہ تمام چیزیں فوری تفریح فراہم کرتی ہیں جبکہ مطالعہ ایک سنجیدہ اور صبر آزما عمل ہے۔ نوجوان آسان اور فوری تفریح کو ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کتابوں سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

مطالعہ نہ کرنے کے نقصانات

مطالعے کی عادت نہ ہونے کے کئی نقصانات ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ ذہنی صلاحیتوں کو محدود کر دیتا ہے۔ مطالعہ انسان کی سوچنے، تجزیہ کرنے، اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔ اس کے علاوہ مطالعہ زبان کی مہارت کو بہتر بناتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ بڑھاتا ہے۔

جو نوجوان مطالعہ نہیں کرتے وہ اکثر اپنی بات مؤثر طریقے سے بیان کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ مطالعہ نہ کرنے سے تخلیقی صلاحیتیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔

مطالعے کے رجحان کو بڑھانے کے طریقے

نوجوانوں میں مطالعے کے رجحان کو بڑھانے کے لیے چند اہم اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

ا۔ والدین کا کردار

والدین بچوں کی شخصیت سازی اور عادات کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ بچے عموماً اپنے والدین کی تقلید کرتے ہیں، اس لیے اگر والدین خود مطالعہ کریں گے تو بچے بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ گھر کا ماحول بچوں کی ذہنی نشوونما پر گہرا اثر ڈالتا ہے، لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ گھر میں مطالعے کا مثبت اور سازگار ماحول فراہم کریں۔

والدین بچوں کو مختلف موضوعات پر دلچسپ اور عمر کے مطابق کتابیں تحفے میں دیں۔ جب بچوں کو کتابیں بطور تحفہ ملتی ہیں تو ان کے دل میں کتابوں کی اہمیت بڑھتی ہے اور وہ انہیں دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر مطالعہ کریں یا انہیں کہانیاں سنائیں، اس سے بچوں میں مطالعے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ان کا کتابوں سے جذباتی تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

مزید بر آں، والدین کو بچوں کے موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال پر مناسب حد تک نظر رکھنی چاہیے اور ان کے لیے روزانہ ایک مخصوص وقت مطالعے کے لیے مقرر کرنا چاہیے۔ اگر والدین بچوں کی حوصلہ افزائی کریں اور ان کی پڑھنے کی عادت کو سراہیں تو بچے زیادہ

اعتماد کے ساتھ مطالعہ جاری رکھتے ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں سے ان کی پڑھی ہوئی کتابوں کے بارے میں بات کریں اور ان سے سوالات کریں۔ اس عمل سے نہ صرف بچوں کی سمجھ میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ان کی دلچسپی بھی برقرار رہتی ہے۔ اس طرح والدین اپنی رہنمائی اور توجہ کے ذریعے بچوں میں مطالعے کی مضبوط اور دیرپا عادت پیدا کر سکتے ہیں۔

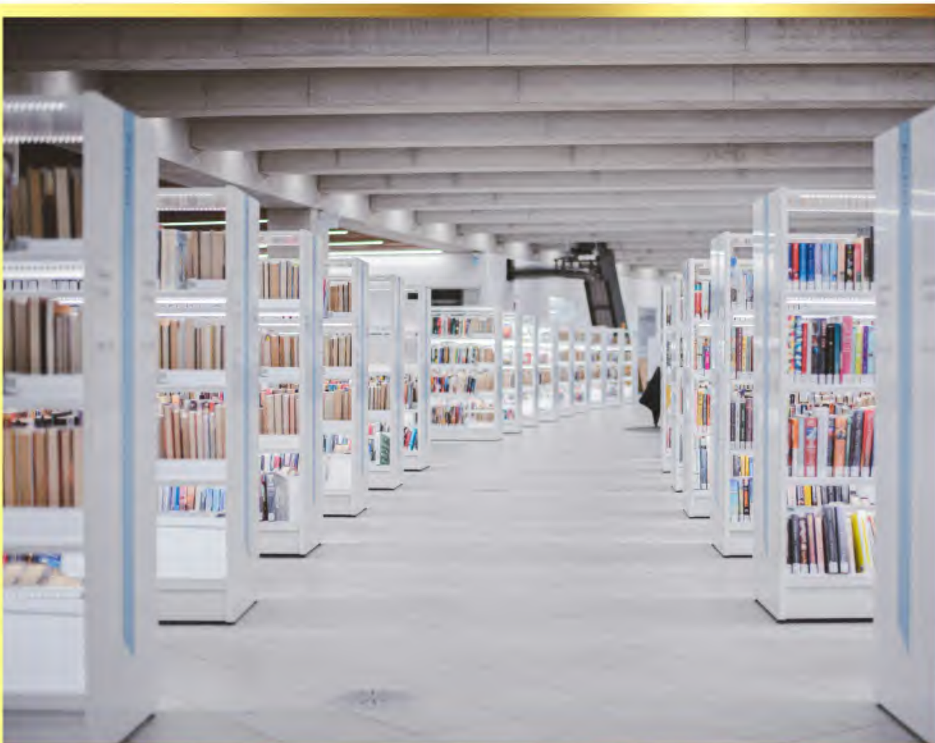

۲۔ تعلیمی اداروں کی ذمہ داری

تعلیمی ادارے نوجوانوں میں مطالعے کی عادت پیدا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ طلبہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں گزارتے ہیں۔ اساتذہ اور تعلیمی ماحول طلبہ کی سوچ اور عادات پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اگر تعلیمی ادارے مطالعے کو صرف نصابی کتب تک محدود رکھنے کے بجائے اسے ایک دلچسپ اور بامقصد سرگرمی کے طور پر پیش کریں تو طلبہ میں مطالعے کا رجحان نمایاں طور پر بڑھ سکتا ہے۔

تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنی لائبریریوں کو فعال اور جدید بنائیں۔ لائبریری میں مختلف موضوعات پر نئی، معلوماتی اور دلچسپ کتابیں موجود ہونی چاہئیں تاکہ طلبہ اپنی دلچسپی کے مطابق کتابوں

کا انتخاب کر سکیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو باقاعدگی سے لائبریری جانے کی ترغیب دی جائے اور ان کے لیے مخصوص لائبریری پیریڈ مقرر کیا جائے تاکہ وہ مطالعے کے لیے وقت نکال سکیں۔

اساتذہ کا کردار بھی اس حوالے سے بہت اہم ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو نصابی کتب کے علاوہ اضافی کتابیں پڑھنے کی ترغیب دیں اور انہیں مختلف کہانیوں، سوانح عمریوں، اور معلوماتی کتابوں سے متعارف کروائیں۔ اساتذہ کلاس میں کتابوں کے بارے میں گفتگو کریں اور طلبہ سے ان کی پڑھی ہوئی کتابوں پر رائے طلب کریں۔ اس عمل سے طلبہ میں تنقیدی سوچ اور مطالعے کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

تعلیمی ادارے مطالعے کے مقابلے، بک کلب، اور کتابوں کی نمائش جیسی سرگرمیوں کا انعقاد کر سکتے ہیں۔ ایسی سرگرمیاں طلبہ میں مثبت مقابلے کا رجحان پیدا کرتی ہیں اور وہ شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر تعلیمی ادارے مطالعے کو تعلیمی سرگرمیوں کا لازمی حصہ بنا دیں تو طلبہ میں مطالعے کی عادت مضبوط ہو سکتی ہے۔

تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کو یہ احساس دلائیں کہ مطالعہ صرف امتحان پاس کرنے کے لیے نہیں بلکہ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس طرح تعلیمی ادارے نوجوانوں کی ذہنی اور فکری نشوونما میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۳۔ ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال

موجودہ دور ٹیکنالوجی کا دور ہے، اور نوجوان اس سے بہت زیادہ وابستہ ہیں۔ اگرچہ ٹیکنالوجی کے بے جا استعمال نے مطالعے کے رجحان کو کم کیا ہے، لیکن اگر اسے مثبت انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ مطالعے کے فروغ کا ایک مؤثر ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ ٹیکنالوجی نوجوانوں کو علم تک آسان، فوری اور دلچسپ رسائی فراہم کرتی ہے، جس سے وہ مطالعے کی طرف راغب ہو سکتے ہیں۔

ڈیجیٹل کتابیں (E-books) مطالعے کو آسان اور قابلِ رسائی بناتی ہیں۔ نوجوان اپنے موبائل فون، ٹیبلیٹ یا کمپیوٹر کے ذریعے کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف وقت کی بچت ہوتی ہے بلکہ کتابوں تک رسائی بھی آسان ہو جاتی ہے۔ بہت سی ویب سائٹس اور ایپس مفت میں ہزاروں کتابیں فراہم کرتی ہیں، جو نوجوانوں کے لیے ایک بہترین موقع ہے کہ وہ اپنی دلچسپی کے مطابق مطالعہ کریں۔

اس کے علاوہ مختلف تعلیمی ایپس نوجوانوں کو دلچسپ اور جدید انداز میں سیکھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ یہ ایپس کہانیوں، تصاویر، اور آڈیو کے ذریعے علم کو آسان اور پرکشش بناتی ہیں۔ اس طرح

نوجوان بور ہونے کے بجائے دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ آڈیو بکس بھی ایک مؤثر ذریعہ ہیں، جن کے ذریعے نوجوان سنتے ہوئے علم حاصل کر سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ نوجوانوں کو مختلف مضامین، تحقیق، اور معلومات تک رسائی فراہم کرتا ہے۔ اگر نوجوانوں کی درست رہنمائی کی جائے تو وہ انٹرنیٹ کو علم حاصل کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو مفید ویب سائٹس اور تعلیمی پلیٹ فارمز کے بارے میں آگاہ کریں۔

یہ کہنا درست ہوگا کہ ٹیکنالوجی بذات خود کوئی منفی چیز نہیں، بلکہ اس کا استعمال اہم ہے۔ اگر ٹیکنالوجی کو مثبت اور تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ نوجوانوں میں مطالعے کے رجحان کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے اور انہیں علم کے قریب لا سکتی ہے۔

۴۔ مطالعے کا ماحول فراہم کرنا

نوجوانوں میں مطالعے کی عادت پیدا کرنے کے لیے ایک سازگار اور مثبت ماحول فراہم کرنا نہایت ضروری ہے۔ گھر اور اسکول وہ بنیادی جگہیں ہیں جہاں بچے اپنی عادات اور رویے سیکھتے ہیں۔ اگر ان مقامات پر مطالعے کو ایک اہم اور خوشگوار سرگرمی کے طور پر پیش کیا جائے تو بچے خود بخود اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

گھر میں والدین کو چاہیے کہ وہ ایک ایسا ماحول بنائیں جہاں کتابوں کو اہمیت دی جائے۔ بچوں کے لیے ایک مخصوص جگہ مقرر کی جائے جہاں وہ سکون سے بیٹھ کر مطالعہ کر سکیں۔ اس جگہ پر شور شرابہ نہ ہو اور تمام ضروری سہولیات موجود ہوں۔ اگر گھر میں کتابیں آسانی سے دستیاب ہوں اور والدین خود بھی مطالعہ کریں تو بچے اس سے متاثر ہوتے ہیں اور مطالعے کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں۔

اسی طرح اسکول میں بھی مطالعے کے لیے مثبت ماحول فراہم کرنا ضروری ہے۔ اسکول کی لائبریری کو فعال بنایا جائے اور طلبہ کو وہاں وقت گزارنے کی ترغیب دی جائے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو مطالعے کی اہمیت کے بارے میں آگاہ کریں اور انہیں مختلف کتابیں پڑھنے کی ترغیب دیں۔ اگر اسکول میں مطالعے کو ایک دلچسپ اور اہم سرگرمی کے طور پر فروغ دیا جائے تو طلبہ اس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

مطالعے کے حوالے سے مثبت رویہ اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ بچوں کو زبردستی مطالعہ کروانے کے بجائے انہیں اس کی اہمیت اور فوائد سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی دلچسپی سے مطالعہ کریں۔ اس طرح ایک سازگار ماحول نوجوانوں میں مطالعے کی مضبوط عادت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

مطالعہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ انسان کی ذہنی، فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دیتا ہے۔ نوجوان کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، اور اگر وہ مطالعے سے دور ہو جائیں تو نہ صرف ان کی ذاتی ترقی متاثر ہوتی ہے بلکہ پوری قوم کی ترقی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں نوجوان مطالعے سے دور ہوں، وہاں علم، تحقیق اور شعور کی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔

نوجوانوں میں مطالعے کے رجحان میں کمی کی کئی وجوہات ہیں، جن میں جدید ٹیکنالوجی کا منفی استعمال، تعلیمی نظام کی خامیاں، والدین کی عدم توجہ، اور مطالعے کے مناسب ماحول کی کمی شامل ہیں۔ یہ تمام عوامل نوجوانوں کو کتابوں سے دور کر رہے ہیں اور انہیں وقتی اور غیر تعمیری سرگرمیوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔

اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ والدین، اساتذہ اور معاشرہ مل کر اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ والدین بچوں کی حوصلہ افزائی کریں، تعلیمی ادارے مطالعے کو فروغ دیں، اور ٹیکنالوجی کو مثبت انداز میں استعمال کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ گھر اور اسکول میں ایسا ماحول فراہم کیا جائے جہاں مطالعہ ایک مثبت، دلچسپ اور مفید سرگرمی سمجھی جائے۔

آخر میں یہ کہنا درست ہو گا کہ مطالعہ کامیابی کی کنجی ہے۔ اگر نوجوان مطالعے کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں تو وہ نہ صرف خود ایک کامیاب انسان بن سکتے ہیں بلکہ ایک باشعور اور ترقی یافتہ معاشرے کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک باشعور قوم ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

مطالعہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ نوجوان کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، اور اگر وہ مطالعے سے دور ہو جائیں تو قوم کی ترقی متاثر ہو سکتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات، تعلیمی نظام کی خامیاں، اور والدین کی عدم توجہ اس مسئلے کی بڑی وجوہات ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین، اساتذہ، اور معاشرہ مل کر نوجوانوں میں مطالعے کی عادت کو فروغ دیں۔ اگر نوجوانوں کو مطالعے کی طرف راغب کیا جائے تو وہ نہ صرف خود کامیاب ہوں گے بلکہ معاشرے کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کریں گے۔

کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ”کتاب ایک ایسا دوست ہے جو انسان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ علم کی روشنی فراہم کرتا ہے۔“

معمولات ووظائف

رمضان کریم

از: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ا۔ نماز پنج گانہ باجماعت ادا کریں۔

۲۔ نماز تراویح پوری باجماعت ادا کریں۔

۳۔ نماز تہجد ادا کریں۔ اس کی کم از کم دو (2) اور زیادہ سے زیادہ بارہ (12) رکعات ہیں۔

۴۔ حتی الامکان فضائل و برکات والی دیگر نفلی نمازیں ادا کریں۔ مثلاً:

نماز اشراق: اس کا وقت طلوع آفتاب سے (20) منٹ بعد شروع ہوتا ہے۔ اس کی کم از کم دو (2) اور زیادہ سے زیادہ چھ (6) رکعات ہیں۔

نماز چاشت: اس کا وقت آفتاب کے خوب طلوع ہو جانے پر ہوتا ہے۔ جب طلوع آفتاب اور آغاز ظہر کے درمیان کل وقت کا آدھا حصہ گزر جائے تو یہ چاشت کے لیے افضل وقت ہے۔ اس کی کم از کم دو (2) اور زیادہ سے زیادہ بارہ (12) رکعات ہیں۔

نماز اوابین: یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز ہے، جو کم از کم دو (2) طویل رکعات یا چھ (6) مختصر رکعات سے لے کر زیادہ سے زیادہ بیس (20) رکعات پر مشتمل ہے۔

۵۔ روزانہ خشوع و خضوع کے ساتھ قرآن حکیم مع ترجمہ عرفان القرآن کی تلاوت کریں۔

۶۔ درج ذیل وظائف روزانہ ایک ایک ہزار مرتبہ پڑھیں:

درود شریف: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

استغفار اَسْتَغفِرُ الْعَلِیْفِ الْعَظِیْم استغفار لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاتُوبُ اِلَیْہِ

کلمہ طیبۃ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ

۷۔ پہلے عشرے میں ہر نماز کے بعد رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ کا ورد ایک سو مرتبہ کریں۔

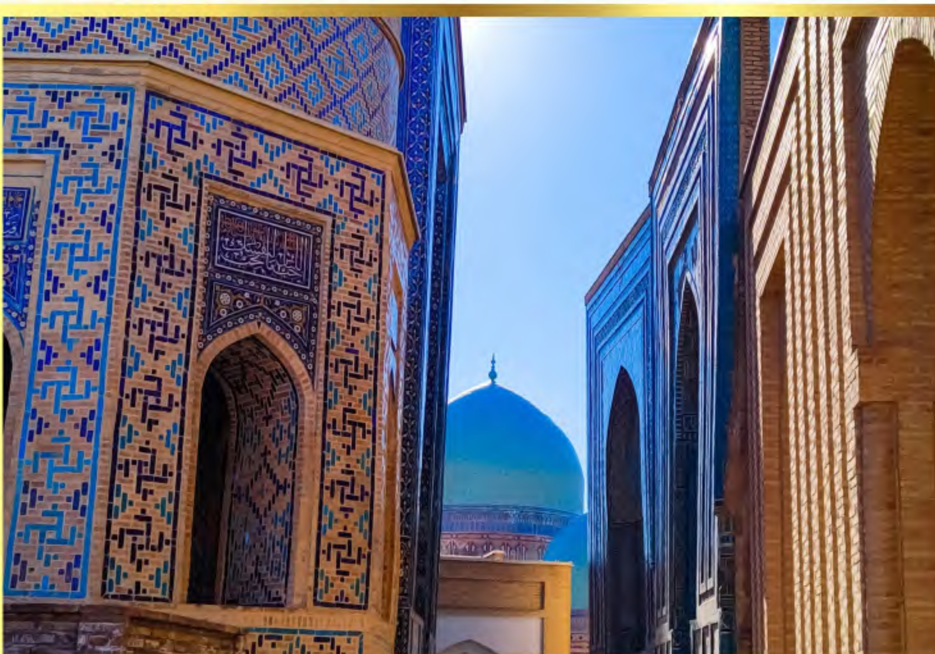

۸۔ دوسرے عشرے میں ہر نماز کے بعد اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوبُ اِلَیْہِ کا ورد میں ایک مرتبہ۔

۹۔ تیسرے عشرے میں ہر نماز کے بعد اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي کا ورد ایک سو مرتبہ۔

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ شب قدر میں درج ذیل دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے:

اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي چونکہ آخری عشرے کی ہر طاق رات میں کثرت کے ساتھ اس کا ورد کرتے ہیں۔

۱۱۔ اور ہر فرض نماز کے بعد سُبْحَانَ اللہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللہُ اَکْبَرُ کی ایک تسبیح کریں۔ آیت الکرسی اور مذکورہ بالا استغفار پڑھیں۔ رحمتوں اور سعادتوں بھرے اس مہینے میں کثرت کے ساتھ صدقات و خیرات کو اپنا معمول بنائیں، اور محتاجوں و ضرورت مندوں کی مدد کریں

اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

اسلام الہامی ادیان میں آخری اور کامل دین ہے جو اخروی نجات کا ضابطہ ہونے کے ساتھ معاشرتی دستور العمل بھی ہے۔ اسلام کا مقصود انسانوں کے باہمی رحم و کرم اور عطف و مہربانی پر مبنی معاشرے کی تعمیر ہے جس کی قیادت محبت و بھائی چارے کے ہاتھ میں ہو اور اس پر خیر و بھلائی اور عطاء و کرم کا راج ہو۔ اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے۔ اسلام نے خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے اور اس کی عمارت کو پائیدار بنانے کے جو اصول و ضوابط متعین کیے ہیں ان میں سے ایک صلہ رحمی ہے۔ صلہ رحمی سے مراد رشتوں کو جوڑنا، رشتے داروں اور اعزاء واقربا کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک کرنا ہے۔

علمائے امّت کا اتفاق ہے کہ صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی حرام ہے۔ احادیث میں بغیر کسی قید کے رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان سے تعلق جوڑے رکھنے کا حکم آیا ہے۔ صلہ رحمی اتنی اہم معاشرتی قدر ہے کہ تمام شریعتوں میں اس کا مستقل حکم رہا ہے اور تمام امتوں پر یہ واجب ٹھہرائی گئی ہے۔ اولادِ یعقوب علیہ السلام کے توحید پر ایمان لانے اور والدین سے حسنِ سلوک کے بعد اعزاو اقرباء سے صلہ رحمی کا عہد لیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِى ٱلْقُرْبَىٰ.

(البقرۃ،2: 83)

"اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور قرابت داروں کے ساتھ (بھلائی کرنا)۔"

یہ حکم امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی لازم کیا گیا اور صلہ رحمی کرنے والوں سے آخرت میں اُس حسین گھر کا وعدہ کیا گیا ہے جو گل و گلزار سے سجا ہو گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ الْحِسَابِ.
(الرَّعد، 13: 21)

"اور جو لوگ ان سب (حقوق اللہ، حقوق الرسول، حقوق العباد اور اپنے حقوقِ قرابت) کو جوڑے رکھتے ہیں، جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور اپنے رب کی خشیّت میں رہتے ہیں اور برے حساب سے خائف رہتے ہیں (یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے)۔"

اور قطع تعلق کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِى الْأَرْضِ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ. (الرَّعد، 13: 25)

"اور جو لوگ اللہ کا عہد اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان تمام (رشتوں اور حقوق) کو قطع کر دیتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں انہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔"

مزید یہ کہ قطع رحمی کو فساد فی الارض کے جیسے گھناؤنے جرم کے ساتھ ذکر کر کے اسے منافقت کی علامت قرار دیا اور اس کے مرتکبین کی تہدید کرتے ہوئے فرمایا:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِى الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوٓا أَرْحَامَكُمْ. (مُحَمَّد، 47: 22)

"پس (اے منافقو!) تم سے توقع یہی ہے کہ اگر تم (قتال سے گریز کر کے بچ نکلو اور) حکومت حاصل کر لو تو تم زمین میں فساد ہی برپا کرو گے اور اپنے (ان) قرابتی رشتوں کو توڑ ڈالو گے (جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواصلت اور مودّت کا حکم دیا ہے)۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک امتیازی اور نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے اور ان کے ساتھ محبت و خیر خواہی سے پیش آتے۔ یہ خوبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج مبارک میں رچ بس گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک جزو لاینفک بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ قدرے گھبرا کر گھر تشریف لائے، اپنی مونس و

غمخوار رفیقہ ء حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پوری صورتِ حال رکھی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں اور ہمت بندھاتی ہیں کہ:

كلا والله ما يخزيك الله ابدا، إنك لتصل الرحم، وتحمل الكل، وتكسب المعدوم، وتقری الضیف، وتعین علی نوائب الحق. (بخاری، الصحیح، کتَابُ بَدْءِ الوَحْیِ، رقم الحدیث: 3)

”اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کے آغاز سے ہی ایمانیات کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کی دعوت کا بھی اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے شروع میں ہی مکہ مکرمہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نبی ہوں۔ میں نے پوچھا: نبی کا کیا معنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے اپنا رسول و پیامبر بنایا ہے۔ میں نے عرض کیا: اللہ نے آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے، بتوں کو توڑنے اور اللہ کی توحید و یکتائی کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ (مستدرک حاکم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن امور کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروائی، ان میں سے ایک صلہ رحمی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو باتیں کیں ان میں سے جو میں نے سنا، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اے لوگو! سلام کو عام کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں تم نماز ادا کرو، اس طرح آسانی وسلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ان اچھی خصلتوں کی وصیت فرمائی:

بِأَنْ لَا أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقِي وَأَنْ أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ دُونِي وَأَوْصَانِي بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَأَوْصَانِي أَنْ أَصِلَ رَحِمِي وَإِنْ أَدْبَرَتْ، وَأَوْصَانِي أَنْ لَا أَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَأَوْصَانِي أَنْ أَقُوْلَ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، وَأَوْصَانِي أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ.

(ابن حبان فی الصحیح، کتاب البر والاحسان، باب صلۃ الرحم، 2/ 194، الرقم: 449)

میں (دنیاوی حوالہ سے) اپنے سے اوپر والے کی طرف نہ دیکھوں بلکہ اپنے سے نیچے والے کی طرف دیکھوں، مجھے مساکین سے محبت رکھنے اور ان کے قریب رہنے کی وصیت فرمائی۔ اور مجھے وصیت فرمائی کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ وہ (رشتہ دار) مجھ سے منہ پھیر لیں، اور مجھے وصیت فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں، اور مجھے وصیت فرمائی کہ میں حق بات کہوں خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو، اور مجھے وصیت فرمائی کہ میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ذکر کی کثرت کروں کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلہ رحمی کو رزق میں کشادگی کا سبب قرار دیا۔ امیر المؤمنین سیدنا علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: من سره ان يمد له في عمره و يوسع له في رزقه، و يدفع عنه ميتة السوء فليتق الله وليصل رحمه. (المسند لاحمد بن حنبل، 3: 266)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے اپنی عمر دراز، رزق وسیع اور بری موت سے دور ہونے جیسے خوشی والے امور درکار ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور رشتوں کو جوڑے۔"

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اعجل الخير ثوابا صلة الرحم حتى ان اهل البيت ليكونون فجرة فتنمنوا اموالهم و يكثر عددهم اذا تواصلوا.

بیشک سب نیکیوں میں جلد تر ثواب پانے والا عمل صلہ رحمی ہے۔ یہاں تک کہ گھر والے فاسق ہوتے ہیں اور ان کے مال ترقی کرتے ہیں ان کے شمار بڑھتے ہیں جب وہ آپس میں صلہ رحمی کریں۔(السنن الکبری للبیھقی،26 /10)

درج بالا آیات و روایات سے صلہ رحمی کی اہمیت اور قطع رحمی کی ممانعت واضح ہوتی ہے۔ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے تعلق میں ہمیشگی کو ملحوظ رکھنا، ان کی مدد و خیر خواہی کرنا، ان کی غمی خوشی اور دکھ درد میں شریک ہونا، تقاریب و تہواروں میں انہیں مدعو کرنا، ان کی دعوتوں میں شرکت کرنا اور اس طرح کے دیگر امور صلہ رحمی میں شامل ہیں۔

صلہ رحمی کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ رشتے داروں سے ان کے رویے کے مطابق سلوک کیا جائے، اگر ایسا کیا جائے تو یہ در حقیقت مکافات یعنی ادلہ بدلہ ہے کہ کسی رشتے دار نے تحفہ بھیجا تو اس کے بدلے تحفہ بھیج دیا، وہ آیا تو بدلے میں اس کے پاس چلے گئے۔ حقیقتاً صلہ رحمی یہ ہے کہ رشتے دار تعلق توڑنا چاہے تو اس تعلق کو بچانے کی کوشش کی جائے، وہ جدائی چاہے، بے اعتنائی برتے تب بھی اس کے حقوق و مراعات کا خیال رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

ليس الواصل بالمكافئ، ولكن الواصل الذی إذا قطعت رحمه وصلها. (بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی،4: 98،رقم الحدیث:5991)

”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ چُکائے، بلکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۔“

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تكونوا إمعة، تقولون: إن احسن الناس احسنا وإن ظلموا ظلمنا، ولكن وطنوا انفسكم، إن احسن الناس ان تحسنوا وإن اساء وا فلا تظلموا.

”تم لوگ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑنے والے نہ بنو یعنی اگر لوگ ہمارے ساتھ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر ہمارے اوپر ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کرو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو اور اگر بد سلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔“(ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی الاحسان والعفو،3: 405،حدیث: 3014)

درج بالا احادیثِ مبارکہ سے صلہ رحمی کا یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ رشتے داروں کے برے سلوک کے باوجود صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، جب وہ محروم کریں تب بھی انہیں عطا کیا جائے، وہ ظلم کریں تو معاف کیا جائے۔ اگر رشتہ دار روٹھیں، قطع تعلقی اختیار کرنا چاہیں، بول چال

بند کر دیں تو خود ان کے پاس جا کر انہیں منایا جائے۔ یقیناً یہ رویہ نفس پر بہت گراں ہے اور شیطان ہمیشہ طرح طرح کے وسوسے ڈال کر ایسا کرنے میں رکاوٹ بنا رہے گا مگر ان اعمال کا اجر خدا کے حضور بہت بڑا ہے۔ صلہ رحمی کا حکم اس اصرار اور اہتمام کے ساتھ دینے کا سبب بھی یہی ہے کہ اس پر حقیقی روح کے ساتھ عمل کرنے میں شدید مشکلات پیش آتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ احادیث بیان فرما رہے تھے، اس دوران فرمایا:

ہر قاطعِ رِحم (یعنی رشتے داری توڑنے والا) ہماری محفل سے اُٹھ جائے۔ ایک نوجوان اُٹھ کر اپنی پُھوپھی کے ہاں گیا جس سے اُس کا کئی سال پُرانا جھگڑا تھا، جب دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو گئے تو اُس نوجوان سے پُھوپھی نے کہا: تم جا کر اس کا سبب پوچھو، آخر ایسا کیوں ہوا؟ (یعنی حضرت ابوہریرہ کے اعلان کی کیا حکمت ہے؟) نوجوان نے حاضر ہو کر جب پوچھا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مجلس میں قاطع رحم (یعنی رشتے داری توڑنے والا) ہو، اُس قوم پر اللہ کی رحمت کا نزول نہیں ہوتا۔

(اَلزَّواجِرُ عَنِ اقتِرافِ الکبائِر، ج:2، ص:351)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صلہ رحمی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ رشتے داروں کی بے اعتنائی، ناشکری اور زیادتی کے باوجود ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، تاہم قرآن وسنت کے احکام کی روشنی میں قطع رحمی کرنے والے رشتے داروں کے متعلق تین طرح کے رویے ہو سکتے ہیں:

کوئی رشتے دار اگر زیادتی کرے تو زیادتی کا بدلہ لے لیا جائے مگر تعلقات منقطع نہ کیے جائیں۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں ملاقات ہو جائے تو سلام دعا کرنے کی صورت باقی رہے۔

ایسے رشتے دار کے ساتھ صرف غمی اور خوشی کا تعلق رکھا جائے اور عام حالات میں اس سے میل ملاقات نہ رکھی جائے۔ تاہم اگر کوئی شدید ضرورت سامنے آجائے تو اس کی مدد سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

ایسے رشتے داروں کی زیادتیوں کو نظر انداز کیا جائے اور ان سے حسنِ سلوک اور مہربانی کا برتاؤ جاری رکھا جائے۔

ان میں سے پہلا رویہ اختیار کرنے پر انسان گناہ گار نہیں ہوگا۔ دوسرے رویے کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی کے مواقع ضائع نہیں ہوں گے اور تیسرا رویہ احسان کا ہے جو فضیلت کا باعث ہے۔ اللہ کی رضا زیادہ زیادہ حاصل کرنا پیش نظر ہو تو اسی تیسرے رویہ کو اختیار کرنا چاہیے۔

گلدستہ

انسانی صحت اور رمضان المبارک کی برکات

خدیجہ بتول

اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی مجموعی صحت کو ترجیح دیں۔

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں آچکی ہیں۔یہ مقدس مہینہ مسلمانوں کے لیے رب کریم کی طرف سے عظیم تحفہ ہے۔اس مبارک وقت کا تقاضا ہے کہ ہم روحانی تیاری کے ساتھ ساتھ اپنی جسمانی صحت کا بھی خاص خیال رکھیں تاکہ پورا مہینہ بھرپور توانائی اور تندرستی کے ساتھ عبادات انجام دے سکیں۔

رمضان صرف چند دنوں کا نہیں بلکہ مکمل ایک مہینے پر مشتمل ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی مجموعی صحت کو ترجیح دی جائے۔

سحری تک وقفے وقفے سے وافر مقدار میں پانی پیا جائے۔ مسمی، کھیرا اور ہلکے سوپ جیسی غذائیں بھی جسم کو ہائیڈریٹ رکھنے میں مدد دیتی ہیں اور ڈی ہائیڈریشن سے بچاتی ہیں۔

متوازن غذا توانائی کی ضامن

افطار اور سحری میں ایسی غذا کا انتخاب کیا جائے جس میں کاربوہائیڈریٹس، پروٹین، صحت بخش چکنائیاں اور فائبر شامل ہوں۔ تلی ہوئی اور زیادہ میٹھی اشیاء کا حد سے زیادہ

استعمال معدے کے مسائل اور سستی کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔

سحری میں ہلکی مگر مؤثر خوراک

سحری کے وقت دلیہ، انڈے، دہی اور روٹی جیسی غذائیں توانائی کو دیرپا بناتی ہیں۔ زیادہ نمکین اور کیفین والی اشیاء پیاس میں اضافہ کر سکتی ہیں، اس لیے ان سے پرہیز بہتر ہے۔

ہلکی پھلکی ورزش

افطار کے بعد یا سحری سے پہلے ہلکی واک یا سادہ اسٹریچنگ جسم میں خون کی روانی بہتر بناتی ہے اور مزاج خوشگوار رکھتی ہے۔ البتہ سخت اور مشقت طلب ورزش سے گریز کیا جائے۔

آہستگی سے کھانے کی عادت اپنائیں

افطار کے وقت جلد بازی اور زیادہ کھانا صحت کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ کھانے کو اچھی طرح چبا کر اور وقفے وقفے سے کھانے سے نظامِ ہضم بہتر رہتا ہے اور پرخوری سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے۔

غذائیت سے بھرپور غذا کا انتخاب کریں

پھل، سبزیاں، دالیں اور خشک میوہ جات وٹامنز اور منرلز سے بھرپور ہوتے ہیں، جو جسمانی قوت مدافعت کو مضبوط بناتے ہیں۔ روزمرہ کے مینو میں تنوع رکھنے سے گھر والوں کی پسند کا بھی خیال رکھا جا سکتا ہے۔

صفائی کا خاص اہتمام

کھانا تیار کرنے اور کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور باورچی خانے کی صفائی برقرار رکھنا بیماریوں سے بچاؤ کے لیے نہایت ضروری ہے۔

ذہنی سکون بھی ضروری ہے

رمضان روحانی سکون کا مہینہ ہے۔ گہری سانسوں کی مشق، عبادت، مراقبہ اور اہلِ خانہ کے ساتھ وقت گزارنا ذہنی دباؤ کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، جس کا مثبت اثر صحت پر بھی پڑتا ہے۔

اپنے جسم کے اشاروں کو نظر انداز نہ کریں

اگر روزے کے دوران شدید کمزوری، چکر یا غیر معمولی پیاس محسوس ہو تو اپنی روٹین پر نظرثانی کریں۔ خصوصاً جو افراد کسی بیماری میں مبتلا ہوں یا باقاعدگی سے ادویات لیتے ہوں، انہیں روزہ رکھنے سے پہلے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے طبّی رہنمائی انتہائی اہم ہے۔

رمضان المبارک کا حقیقی فائدہ اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب روحانی عبادات کے ساتھ جسمانی صحت کا بھی بھرپور خیال رکھا جائے۔ اس مبارک مہینے کا استقبال مثبت سوچ، متوازن خوراک اور صحت مند طرزِ زندگی کے ساتھ کریں۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پلکیں بچھا دیں ہم نے طیبہ کے راستوں میں
موتی چمک رہے ہیں پاؤں کے آبلوں میں

ذکرِ جمیل اُنؐ کا ہے ہر ورق پہ روشن
مفہوم ہے مصوّر مضموں کے حاشیوں میں

بھٹکے ہوئے بشر کو شاید خبر نہیں ہے
ہر عافیت ہے ملتی آقاؐ کی محفلوں میں

یہ جشنِ مصطفیٰؐ ہے رحمت کی انتہا ہے
اترے ہیں آسماں سے انوار بستیوں میں

سارے علوم اُنؐ کے در پر ہیں دست بستہ
رونق تمام تر ہے آقاؐ کے مکتبوں میں

اوقات اپنی بھولا ہر رہنما ہمارا
اب ہے ہوا مقید زر کی تجوریوں میں

عشقِ نبیؐ کا موسم ہر سمت پرفشاں ہے
رقصاں صبا ہمیشہ رہتی ہے رتجگوں میں

سب منحرف یہ چہرے گمراہ ہوچکے ہیں
گم صم کھڑے ہیں کب سے تاریک جنگلوں میں

موسم ریاضؔ اترا شاداب ساعتوں کا
جگنو درود پڑھتے اترے ہیں جھاڑیوں میں

{ریاضؔ حسین چودھری}

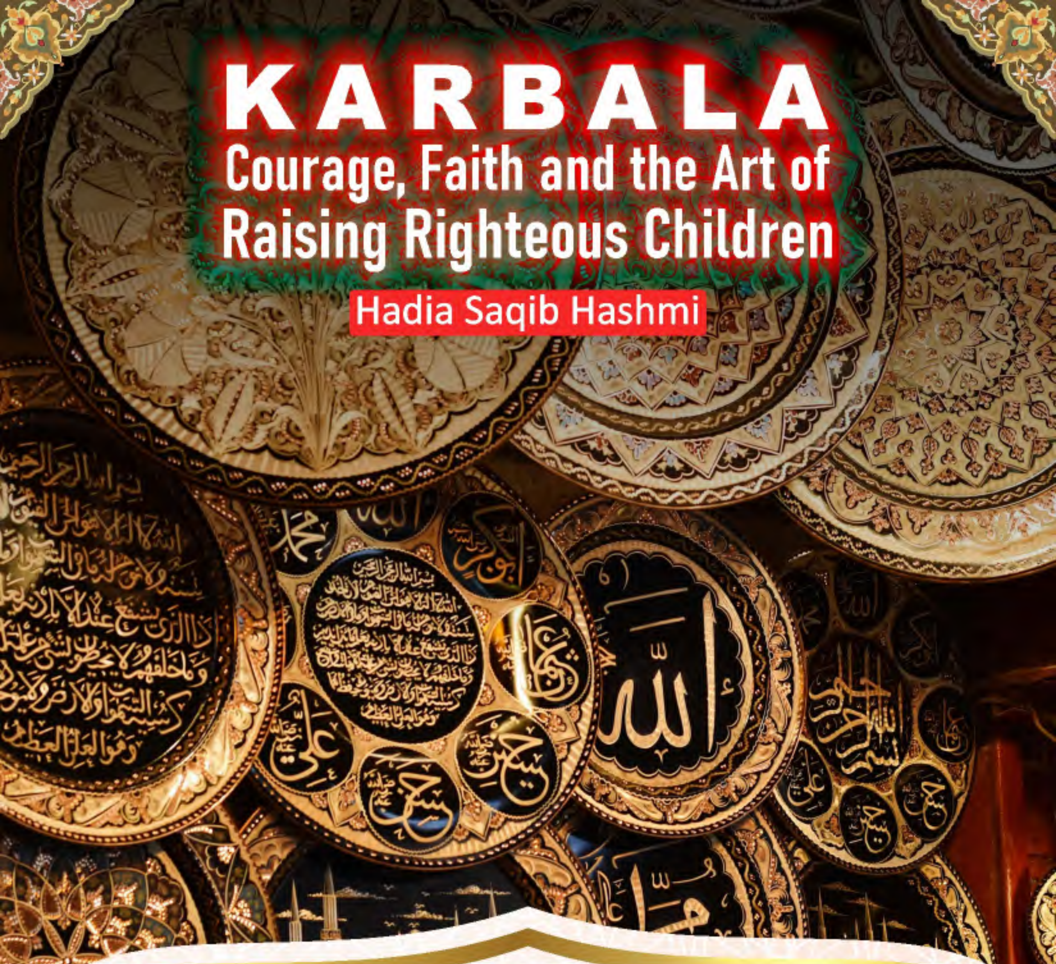

KARBALA
Courage, Faith and the Art of Raising Righteous Children

Hadia Saqib Hashmi

The tragedy of Karbala is a story that has echoed through centuries, touching hearts across the world, inspiring Muslims of all ages. It is not just an event from history; it is a living lesson in courage, integrity, patience, and unwavering faith. On the sun-scorched plains of Karbala, Hazrat Imam Hussain (R.A.), the beloved grandson of the Prophet ﷺ, stood alongside his family and companions against a massive army that sought to crush truth and justice. Though he was offered the chance to submit, to take the easy path, he chose the path of

righteousness, fully aware that it would cost him and his loved ones their lives. This act of courage, guided solely by devotion to Allah and the principles of Islam, is a shining example of moral bravery that continues to inspire humanity, reminding us that standing for justice is not measured by numbers or worldly power, but by the steadfastness of one's heart and the sincerity of one's intention.

Hazrat Imam Hussain (R.A.) did not fight for personal gain, recognition, or political authority; he fought for the honor of Islam and to protect the dignity of faith itself. With him were his devoted companions and family members, including women and children, who endured extreme hardships, hunger, thirst, the burning sun, and the looming threat of death. They remained firm, patient, and resilient, showing that true courage comes not only from physical strength but from moral conviction and trust in Allah. Among them, Hazrat Zaynab (R.A.) exemplified extraordinary wisdom and bravery. Even after the battlefield was lost, she rose as a voice of truth, ensuring that the message of Karbala, the principles of justice, sacrifice, and righteousness, reached the world and would continue to guide future generations. Her story teaches us that courage is not only displayed in acts of physical Valor but also through words, perseverance, and standing firm in the face of oppression.

The story of Karbala is not a distant tale; it holds lessons that are alive and relevant today. Hazrat Imam Hussain (R.A.) refused to accept falsehood, even under extreme pressure and danger, demonstrating that integrity and honesty are far more valuable than comfort, safety, or worldly advantage. In our modern world, these lessons are particularly relevant. Ethical and honest challenges arise in everyday life in schools, workplaces, social media, and even within families. Young girls and women, in particular, are often confronted with subtle pressures to compromise their principles to fit in or avoid conflict. Karbala teaches them that the courage to uphold truth, no matter how difficult, is a defining characteristic of strong character. For mothers, this story becomes a tool to teach

children that standing for what is right, even when unpopular, is a source of inner strength and long-lasting honour.

Karbala also emphasizes the power of patience and perseverance. Hazrat Imam Hussain (R.A.) and the Ahl ul Bayt (R.A.) endured immense suffering without giving in to despair. In a world that often prioritizes instant gratification, teaching children patience is crucial. Simple acts, like waiting for a turn, completing a task diligently, or handling disappointment with grace, can nurture resilience and emotional strength. The women of Karbala, particularly Hazrat Zaynab (R.A.), teach that strength is not always loud or visible; it lies in quiet determination, thoughtful leadership, and steadfast faith. By sharing these examples with children, mothers can help them understand that true bravery lies not in the absence of fear but in choosing righteousness despite it.

The lessons of Karbala extend beyond personal courage to compassion and justice. Hazrat Imam Hussain (R.A.) and his companions stood against oppression and injustice, defending the rights of the innocent and refusing to legitimize tyranny. Today, injustice may take subtler forms bullying in schools, unfair treatment at work, discrimination, or the silent acceptance of wrongdoing. Teaching children to recognize such situations and to act with fairness and empathy helps them internalize the values of justice. Mothers can guide their

children to stand up for others, speak the truth with confidence, and approach life with integrity, even when facing peer pressure or societal expectations. In doing so, children grow into adults who not only value honesty and courage but also actively contribute to creating a fair and compassionate society.

Storytelling is one of the most powerful ways to inspire faith and moral courage in children. Sharing the story of Karbala, in an age-appropriate and engaging manner, allows young girls and boys to see the relevance of Hazrat Imam Hussain's (R.A.) actions to their own lives. They learn that courage is not always about grand gestures; it can be found in small, everyday acts, speaking the truth when it is difficult, helping someone in need, refusing to participate in wrongdoing, or being kind and fair in challenging situations. Mothers who encourage discussion and reflection about these lessons empower children to think critically, make moral choices, and develop a strong sense of responsibility for their actions.

Hazrat Zaynab (R.A.) stands as a timeless example of female courage and moral leadership. She demonstrated that women could wield immense influence through knowledge, patience, and eloquence. For young girls today, her story is a reminder that their voices matter, that their actions have impact, and that they can inspire change through courage and wisdom. For mothers, this is an important lesson: the home is the first

school of character, and nurturing daughters to be confident, principled, and articulate ensures that the values of Karbala live on in future generations. Likewise, raising sons to respect women, act ethically, and uphold justice strengthens the moral fabric of society. The story of Karbala teaches that every individual, regardless of gender or age, has the potential to make a difference through honesty, courage, and principled action.

The sacrifice of Hazrat Imam Hussain (R.A.) also reminds us that true courage requires prioritizing principle over convenience. In modern life, children face similar challenges in smaller forms: peer pressure, the temptation to cut corners, the allure of material gain, or the pressure to follow trends that contradict personal values. Mothers can guide children to navigate these situations with integrity, teaching them that ethical choices, even when difficult, lead to lasting satisfaction and respect. By consistently reinforcing the importance of honesty, fairness, and compassion, mothers help children develop moral compasses that will guide them throughout life.

Faith and spiritual awareness were at the core of the Ahl ul Bayt's (R.A.) strength. Hazrat Imam Hussain (R.A.) demonstrated that reliance on Allah and commitment to divine principles provide the courage to face even the most daunting challenges. In today's fast-paced world, nurturing children's

spiritual understanding is just as important as developing intellectual skills. Teaching children the significance of prayer, reflection, and ethical living helps them find inner peace and moral guidance, allowing them to make decisions grounded in faith rather than fear or convenience.

Modern challenges may not be as dramatic as those at Karbala, but they require the same principles of truth, courage, patience, and justice. Hazrat Imam Hussain (R.A.) teaches us that standing for what is right may come with difficulty, criticism, or even isolation. Yet, these challenges are opportunities to grow in character and faith. Mothers who embody these values themselves create a nurturing environment where children can learn by example. Simple acts, such as helping someone in need, being honest when a mistake is made, and showing compassion to the less fortunate, become lessons that are far more impactful than words alone.

Ultimately, Karbala is a story of hope and resilience. Hazrat Imam Hussain (R.A.) and the Ahl ul Bayt (R.A.) showed that true victory is measured not by worldly success but by loyalty to principle, commitment to justice, and devotion to Allah. The story encourages young girls, women, and men to pursue knowledge, stand up for fairness, and embrace moral courage in daily life. It teaches that even in the face of fear or difficulty,

ethical action and principled living are the highest forms of strength.

For mothers, the story of Karbala carries an essential and timeless message. The home is the first place where children learn about values, form habits, and understand the meaning of courage and integrity. By teaching children honesty, patience, compassion, and moral courage, mothers can raise individuals who will carry forward the light of faith and justice into the wider world. Encouraging reflection, discussion, and practical application of these principles empowers children to act rightly, speak truthfully, and make decisions guided by conscience rather than convenience.

In today's world, where ethical dilemmas are constant and pressures to compromise values are ever-present, the lessons of Karbala are more relevant than ever. Hazrat Imam Hussain (R.A.) reminds us that standing for truth may not always be easy, but it is always meaningful. Mothers who instill these values in their children are shaping future leaders, compassionate citizens, and courageous individuals who will positively impact society. Every small act of teaching honesty, integrity, and courage is a step toward a world illuminated by justice and righteousness, just as Karbala continues to illuminate hearts with the eternal light of truth.

Raise your children to value honesty, courage, patience, and compassion. Teach them the importance of standing for justice and truth, even in small daily decisions. Show them through your own actions that faith, integrity, and moral courage are treasures more valuable than worldly success. By doing so, you are nurturing the next generation of principled, confident, and compassionate individuals, ensuring the timeless lessons of Hazrat Imam Hussain (R.A.) and the Ahl ul Bayt (R.A.) live on in today's world.

شیخ الاسلام ڈے 2026ء کے موقع پر
منہاج القرآن ویمن لیگ کی جانب سے منعقدہ ''دعائیہ تقریب'' کی تصویری جھلکیاں

مسز فضہ حسین قادری اور ڈاکٹر غزالہ حسن قادری کی خصوصی شرکت وخطاب

DUKHTARAN-E-ISLAM MAR-2026 LAHORE

Regd CPL No.45